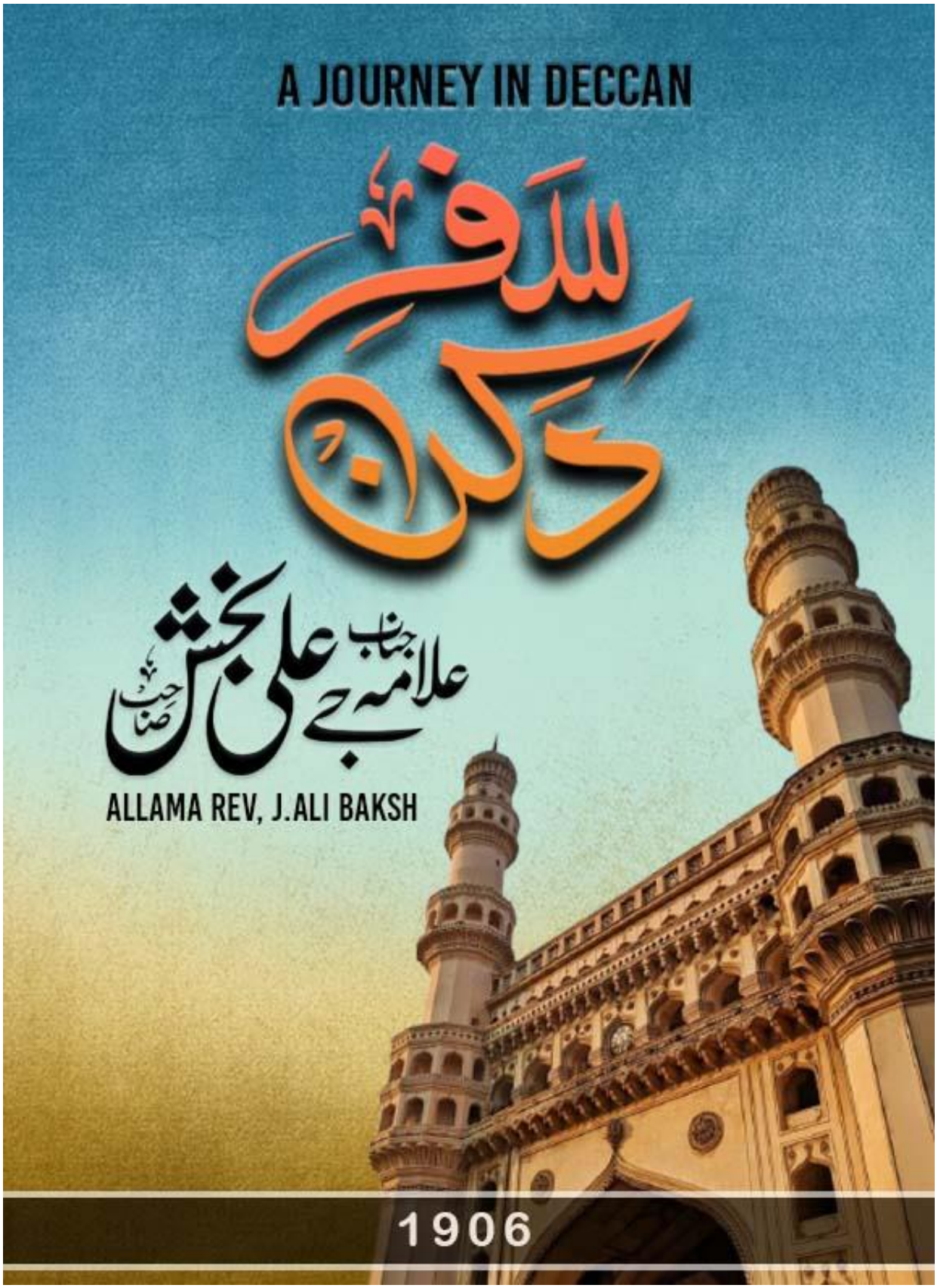
A JOURNEY IN DECCAN
سفر دکن
علامہ جناب جے علی بخش صاحب
ALLAMA REV, J.ALI BAKSH
1906

A Journey to the

City of Hyderabad Deccan

A Collection of J. Ali Bakash's
Dialogues & Lectures with the
Islamic Community

Professor of
St. John's Divinity College Lahore

سفرِ دکن

جس میں وہاں کے بعض مقامات کا دلچسپ بیان اور چند لیکچر جو اہل اسلام کے لئے مختلف جگہوں میں دیئے گئے اور اُن مباحثوں کا مختصر احوال جو وہاں کے بعض مسلمانوں سے ہوئے مندرج ہیں۔

علامہ پادری جے علی بخش

فہرستِ مضامین

باب	مضمون
پہلا باب	ریل کا سفر
دوسرا باب	حیدر آباد
تیسرا باب	انجمن پرہیز گاری
چوتھا باب	نو مسلم کا لکچر
پانچواں باب	میں کیوں مسیحی ہوں
چھٹا باب	حیدر آباد
ساتواں باب	پیشینگوئیاں
آٹھواں باب	پُرانے اُستاد سے ملاقات
نواں باب	عصمت انبیاء
دسواں باب	تجسم
گیارہواں باب	فلک نما
بارھواں باب	عرب ملّا
تیرھواں باب	ایلور
چودھواں باب	کفارہ
پندرھواں باب	مچھلی پٹم
سولھواں باب	بنگلور

سفرِ دکّن

پہلا باب

ریل کا سفر

موسم برسات اور چاندنی رات میں نوجوانوں کے دلوں کے ولولے نہ مثل پوار بلکہ موسلا دھار بارش کی صورت میں بہ نکلتے ہیں۔ قدرت نے بھی عجیب ہمدردی اور موافقت اس حالت سے دکھائی ہے۔ میوجات جو اس موسم میں پیدا ہوتے ہیں وہ اس مثل کے انوکھے معنی کے مصداق ہیں۔ کہ دریا کوزہ میں بند ہے۔ پنجاب آموں کے باعث مشہور ہے۔ آم وہ پھل ہے کہ بچے سے بوڑھے تک ہر ایک اس کا مزہ اٹھاتا ہے۔ رَس کوزہ میں بند ہوتا ہے۔ اور برسات کے شروع ہوتے ہی اس رَس کی ندیاں بہ نکلتی ہیں۔ باغوں کی سیر ہوتی۔ آموں کی پچکاریاں دوستوں کی طرف چھوڑی جاتیں اور اس کے رَس سے گویا ہوری کھیلی جاتی ہے۔ یا یہ کہو کہ سربستہ رازوں کی مہریں توڑی جاتی ہیں اور دلی خیال اُچھل اُچھل کر دوسروں کے دلوں کو نہال کرتے ہیں۔ اہل فارس نے اس کے لئے یہ چیستاں بنائی ہے۔

یک عجائب عجب دیدم درمیاں بوستاں

پوست اوبر موئے دیدم موئے اوبرا شخواں

یعنی باغ میں ایک ایسی عجیب چیز میں نے دیکھی کہ اُس کا چمڑا بالوں پر تھا اور اُس کے بال ہڈیوں پر تھے۔

لیکن اس دل بہلانے والے موسم میں یہاں گرمی بھی خوب پڑتی ہے۔ پسینے سے کپڑے تربتر ہوتے رہتے ہیں دراصل یہ موسم کپڑا پہننے کا نہیں۔ جب فطرت رقص میں آجائے۔ تو انسان کیوں دامن چاک کرکے اُس کے ساتھ شریک رقص نہ ہو۔ پر انسان بیچارہ مجبور ہے۔ ادھر موسم کا یہ تقاضا اُدھر سوسائٹی اور تہذیب کی بندش۔ خاص کر ایسے زمانہ میں جب فن نے فطرت پر فتح حاصل کرلی ہو۔ کیا مجال کہ انسان عُریان رہ سکے ورنہ تہذیب اُس پر وحشی پن کا فتویٰ دے کر دین و دنیا سے مردود کر دینے اس لئے ہر وقت چار جامہ رہنا اور دُمچی قازہ پوزی سب کو درست رکھنا ضرور ہے۔

اس موسم میں اگست کا مہینہ ایک سخت مہینہ ہے۔ خاص کر جب برسات کافی نہ ہو۔ اس مہینے کی آٹھویں تاریخ بروز پیر ۱۹۰۴ء کو مجھے حیدرآباد دکن کی طرف روانگی کا اتفاق ہوا۔ اس وقت لاہور میں گرمی ۹۰، ۹۴ کے درمیان تھی۔ اور حیدرآباد میں ۷۰، ۷۴ کے درمیاں۔ چند کپڑے کتابیں کونیں لیکر بمبئی ڈاک گاڑی میں ۳ بجے شام کے لاہور سٹیشن سے سوار ہوا۔ شام کو چھاؤنی جالندھر میں شب باش ہوا۔ وہاں میرا چھوٹا بھائی کمسریٹ میں کام کرتا تھا۔ اُس کے ساتھ ایک روز رہ کر شام کو گاڑی پر سوار ہوا۔ اس روز خوب بارش ہوئی۔ لاہور بیچارہ مصیبت کا مارا اس برسات کو کیسا ترس رہا تھا۔ دعا کی کہ لاہور بھی اس برکت باراں سے محروم نہ رہے۔ اب تو ریل تھی یا میں تھا۔ چلا چل۔ دہلی سے گزرے آگرہ کے لال قلعہ کے دامن سے ہوتے

ہوئے جھانسی، بھوپال پر نظر مارتے ہوئے گوالیار کا قلعہ نظر آیا۔ جو پہاڑی پر بستا ہے روایت ہے کہ قدیم زمانہ میں دیووں نے یہ بنایا تھا۔ کبھی یہ مضبوط قلعہ ہوگا۔ لیکن توپوں کے سامنے اس کی کچھ وقعت نہیں۔ جبکہ اس کے بالمقابل ایک اونچی پہاڑی ہے جس پر توپ نصب کرنے سے قلعہ کے عین اندر گولہ مار سکتے ہیں۔ ریل اس کے تقریباً تین پہلو دکھا دیتی ہے۔ وہاں سے گوالیار کے جنگل میں سے گذر کر کھنڈوا بھوسوال وغیرہ ہوتے ہوئے منمار سٹیشن پر اترا وہاں بمبئی ڈاک گاڑی چھوڑ کر حیدر آباد سٹیٹ ریلوئے پر سوار ہونا تھا۔ یہاں سرکار کی طرف سے بابو لوگ مقرر ہیں کہ اسباب کی تلاشی لیں۔ چنانچہ بستر اور صندوق کھول کر دکھایا گیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ بعض لوگ چنڈو گانجا وغیرہ چھپا کر بیچنے کے لئے حیدر آباد وغیرہ کی طرف جاتے ہیں اس لئے سب مسافروں کی بلا امتیاز تلاشی ہو جاتی ہے۔ سچ ہے۔

چواز قومے یکے بیدانشی کرو
نہ کہ رامنزلت ماند نہ مہ را

ریلوئے کی یہ شاخ نئی نکلی ہے۔ تقریباً دو سال سے یہ ریل جاری ہے۔ گاڑیاں عمدہ بنی ہوئی ہیں۔ تیسرا درجہ یہاں کا پنجاب کے دوم درجہ کو مات کرتا معلوم ہوتا تھا۔ انجن کی سیٹی متفرق تھی شائد اس لئے کہ انگریزی اور دیسی ریل میں سیٹی ہی سے فرق معلوم ہو جائے۔ چند سٹیشنوں کے گزرنے کے بعد اورر نگ آباد کا سٹیشن آیا۔ نام سنتے ہی اُس زبردست مشہور شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا سماں آنکھوں کے سامنے چھا گیا۔ وہ شعر یاد آیا۔

اے سکندر نہ رہی تیری بھی عالمگیری
آپ دو دن نہ جیا کس لئے دارا مارا

یہ وہ اورنگ زیب بہادر جس نے اپنے بڑھاپے میں دکن کو فتح کیا اور فروری ۱۷۰۷ء کو اورنگ آباد میں دفن کیا گیا۔ اس نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ اس کے جنازہ پر ساڑھے چار روپیہ سے زیادہ نہ خرچ ہو۔ یہ ساڑھے چار روپیہ اُس نے دو ٹوپیاں بیچ کر حاصل کئے تھے جس کو اُس نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا۔ اور آٹھ سو پانچ روپے اُن قرانوں کو بیچ کر کمائے تھے جو اُس نے اپنے ہاتھ سے لکھے تھے۔ یہ رقم اُس کی وصیت کے موافق غریبوں میں تقسیم کر دی گئی۔ اس اورنگ زیب عالمگیر کا مقبرہ عالیشان اس اورنگ آباد میں موجود ہے جس کی زیارت کے لئے بہت لوگ دور دور سے آتے ہیں۔ یہاں ایک پانی کا انتظام قابل دید ہے۔ غالباً اورنگ زیب کے عہد سلطنت میں کسی جگہ سے پانی شہر میں لایا گیا۔ اور گھر گھر رواں ہے۔ ابھی تک یہ ظاہر نہیں کہ کہاں سے یہ پانی آتا ہے اس کا انتظام ایک خاص فرقے کے سپرد ہے جو پشت در پشت اس کی نگرانی کرتے ہیں اور دوسروں پر اس راز کو کو ظاہر نہیں کرتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ واٹر ورکس کا انتظام قدیم لوگوں سے چھپا نہ تھا۔ البتہ انہوں نے ایسے فوائد کو مخصوص جگہوں میں محدود رکھا۔ آج کل وہ فوائد عام کر دئے گئے ہیں۔ یہاں سے گذرتے ہوئے اسکندریہ آباد پہنچے۔ راہ میں سوائے چکوترہ کے کوئی پھل نظر نہیں آیا اور سوائے چنوں کے اور کچھ بکتا نہیں پایا۔ البتہ ہوٹل میں کھانے کا انتظام سے گو مہنگا ہے۔ پھر اسکندر آباد پہنچے یہ سکندر آباد بڑی بھاری انگریزی چھاؤنی ہے۔ حیدر آباد کی مدد

کے واسطے کسی بغاوت کے فرد کرنے کے لئے غالباً انگریزی فوج منگوائی گئی تھی۔اس نے وہیں چھاؤنی ڈالدی۔ گواب ظاہر اس کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی لیکن یہ مستقل چھاؤنی ہے۔اس کے خرچ اخراجات کی حامل ریاست حیدر آباد ہے۔اس میں چند مشن آجکل کام کرتے ہیں۔ایس۔پی۔جی مشن اور ویسین چرچ بہت مضبوط ہیں۔ سپر ٹنڈنٹ پادری ایس۔پی جی مشن کے ایک دیسی صاحبہ ہیں جو اچھے تعلیم یافتہ ہیں۔انجمن پرہیز گاری بڑے زور شور سے کام کررہی ہے۔اس کا انتظام برہمو سماج کے متعلق ہے۔اس اسٹیشن پر آدھے گھنٹے کے قریب گاڑی ٹھیر کر چند منٹوں میں حیدر آباد پہنچی اور میں منزل مقصور پر پہنچ گیا۔

دوسرا باب

حیدرآباد

۱۲اگست ۱۹۰۴ء کو میں حیدر آباد پہنچا۔اور مشن ہوس کا راہ لیا۔ وہاں پادری گولڈ سمتھ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ یہ صاحب آنریری مشنری چرچ مشنری سوسائٹی کی طرف سے یہاں چند سالوں سے ہندوستانی بولنے والے لوگوں میں کام کرتے ہیں۔لاغر لیکن دراز قد چہرہ سے ریاضت و نفس کشی کے آثار ظاہر تھے۔ سادہ طور و وضع کے باعث ہر کس و ناکس کے دل میں اُنہوں نے گھر کر لیا ہے۔ محمدی اُنہیں ولی کہتے ہیں۔اور ہوس رکھتے ہیں کہ ایسے شخص محمدیوں میں بھی پائے جائیں۔اُن کی مہربانی سے مجھے یہاں آنے کا اتفاق ہوا۔اس سفر کے اخراجات کے یہ متحمل ہوئے۔اپنے گھر میں کمرہ رہنے کو دیا اپنے ساتھ کھانے کا انتظام کیا دیسی غذا کو مد نظر رکھا ایک رکابی چپاتی یا چاول کی ضرور ہوتی۔تاکہ میں انگریزی کھانے سے آکتا نہ جاؤں۔اُن کی خوش سلوکی اور خوش خلقی نے راہ کی رنج و کوفت کو چشم زدن میں اڑا دیا۔ یہاں ایک پرانے دوست بھی ملے جو باغ مہاں سنگھ میں رہ چکے تھے۔اب ریاست میں ملازم ہیں۔ان کے چچا محکم چند صاحب اچھے عہدہ پر ممتاز تھے۔ان کے رسوخ کے باعث ہیم چندر صاحب کو بھی اُسی دفتر میں جگہ مل گئی۔ یہ پادری تاراچند صاحب اجمیری کے صاحبزادہ ہیں۔ خلیق، فروتن اور ملنسار ہیں۔ان کی ملاقات کرانے میں نہایت مدد دی۔جمعہ کو آرام کیا۔ سنیچر کے روز مسز نندی اور ڈاکٹر نندی صاحب کی ملاقات کے لئے گیا۔ مسز نندی ڈاکٹر چٹرجی صاحب ہوشیار پوری کی صاحبزادی ہیں۔ان کا خاندان خاطر تواضع مسیحی محبت اور نمونہ کے لئے پنجاب میں مشہور ہے۔اس خاندانی خوبیوں پر مسز نندی نے اور بہت خوبیاں بڑھائی میں جن کے باعث ان کا گھر حیدر آباد میں مسیحی گھر کا نمونہ بن گیا ہے۔پنجابیوں سے خاص اُنس ہے۔ گویا اُن کی تو یہ پناہ گاہ ہیں۔ان کی مدد کے لئے ہر وقت تیار رہتی ہیں۔ڈاکٹر نندی صاحب بھی نہایت لائق سنجیدہ مزاج اور کم سخن شخص ہیں۔ان سے ملاقات کر کے طبیعت کو نہایت فرحت حاصل ہوئی اور پنجاب کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آگیا۔ دوسرے روز اتوار تھا۔ صبح شام دونو وقت اتوار کو وعظ کرنے کا موقع ملا۔ صبح کو مکاشفہ ۲۔ا سے ۱۲تک پر وعظ کیا۔خُداوند نے جو پیغام افسس کی کلیسیا کو دیا تھا وہ پیغام حیدر آباد کی ہندوستانی کلیسیا کو سنایا گیا۔ شام کو یوحنا ۱:۵۳ پر وعظ کیا اور بتایا کہ کس طرح آسمان کے کھلنے کا مسیحیوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔

شاید اس مقام پر حیدر آباد کا کچھ حال لکھنا خالی از لطف نہ ہوگا۔

یہ شہر ریاست حیدر آباد کا دارالخلافہ ہے۔ میر محبوب علی خاں صاحب بہادر نظام حیدر آباد ہیں۔ بڑے فیاض رحمدل رعایا پرور اور حلیم مزاج ہیں۔ شیر کے شکار کا خاص شوق رکھتے ہیں جابجا تصویریں دیکھنے میں آتی ہیں جن میں بندگان عالی شیر کا شکار کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ لقب نظام اورنگ زیب کے زمانے میں کلک خاں صوبہ دار دکن کو ملا۔یعنی وہ آصف جاہ نظام الملک کہلایا۔ یہ نورانی شریف خاندان سے تھا اُنہوں نے حیدر آباد ریاست کی بنیاد ڈالی یہ تجربہ کا مدّبر اور بہادر شخص تھا۔ محمد شاہ کے زمانہ میں یہ دکن کے مالک ہوگئے۔ پھر ۱۷۲۲ء میں دکن سے اکثر شہنشاہ کے وزیر مقرر ہوئے لیکن بادشاہ کی عیاشی، لاپروائی اور غفلت سے دق ہو کر ۱۷۲۲ء میں واپس دکن کو چلے گئے اور حیدر آباد کو جو قطب شاہی خاندان کا قدیم صدر مقام تھا۔ اپنا دارالخلافہ بنایا۔اس وقت سے لے کر اس ریاست نے ترقی کی۔ جب مرہٹوں کے مقابلے میں سوائے نظام الملک کے اور کوئی اس مہم کو سرانجام دینے والا نظر نہ آیا۔اُسے بہت وعدے دے کر بلایا اس وقت اس بزرگ کی عمر ۹۳ سال کی تھی۔ مرہٹوں سے مجبور ہو کر صلح کرنی پڑی۔ یہ وہی زمانہ ہے جب نادر شاہ نے ہند پر حملہ کیا۔ دہلی کو لوٹا اور سارا مال اسباب اور شاہی خزانہ لے کر واپس گیا۔ نظام الملک بہادر نے ایک سو چار سال کی عمر میں وفات پائی۔اس کا بڑا

بیٹا دہلی کے دربار میں تھا۔ چھوٹا بیٹا نظیر جنگ سر لشکر تھا۔ اُس نے فوراً شاہی خزانوں پر قبضہ کر کے اپنے تئیں نظام مشتہر کیا لیکن اُس کا بھتیجا مظفر جنگ دعویدار ریاست ہوا اور اُس نے چاندو صاحب اور فرانسیسی ڈوپلے صاحب کے ساتھ سازش کر کے نظیر جنگ سے مقابلہ کیا۔ مگر قسمت یاور نہ ہوئی شکست کھا کر قید ہو گیا پھر نظیر جنگ اور ڈوپلے صاحب میں جنگ ہوئی اور نظیر جنگ قتل ہوا۔ اور مظفر جنگ صوبہ دار دکن مقرر ہوا۔ اور ۱۸۵۱ء میں فرانسیسی فوج کے ہمراہ حیدر آباد میں داخل ہوا۔ لیکن سازش سے مارا گیا۔ بوسے فرانسیسی جنرل نے صلابت جنگ کو جو نظیر جنگ کا بھائی تھا فوراً صوبہ دار دکن مقرر کر دیا۔ صلابت جنگ کا بھائی نظام علی وزیر تھا لیکن نظام علی نے اپنے بھائی کو مروڈالا۔ اور خود صوبہ دار دکن بن گیا۔ ۱۷۶۶ء میں نظام نے انگریزوں سے عہد وپیمان کیا جس میں انگریزوں کی طرف سے یہ شرط تھی کہ ہم ایک قوی فوج سے اُس کے سلطنت کے ہر کام کے سرانجام دینے میں جو راست ومناسب ہو گا مدد دینگے۔ اُس وقت مدراس کی حکومت مسٹر پلک کے ہاتھ میں تھی جو پہلے بطور چپلین کے ہندوستان کو آیا تھا۔ لیکن طمع دنیاوی سے اپنے پادری پن کو جواب دے کر سرکاری ملازمت اختیار کیا اور بڑا مال ودولت حاصل کر کے انگلستان میں بیرونٹ (Baronet) کا درجہ حاصل کیا۔ نظام حیدر آباد نے ۱۷۶۷ء میں حیدر علی غاصب سے انگریزوں کے خلاف سازش کی لیکن چنگم میں شکست پائی پھر بنگال سے انگریزی فوج نے آن کر ریاست حیدر آباد پر حملہ کیا نظام علی یعنی نظام حیدر آباد۔ اور اب گھبرایا اور حیدر علی کا ساتھ چھوڑ کر انگریزوں سے صلح کی درخواست کی۔ چنانچہ ۳فروری ۱۷۶۸ء کو عہد نامہ لکھا گیا۔ جس میں نظام کو چار علاقوں کے عوض سات لاکھ روپیہ دینا منظور کیا گیا۔ انگریزوں نے یہ وعدہ بھی کیا کہ جب ضرورت ہو تو دو پلٹنوں چھ توپوں کے ساتھ جو یورپین افسروں کے ماتحت ہونگی نظام کی مدد کرینگے۔ نظام علی نے اپنے بھائی بصالت جنگ کو گنتور کا علاقہ دیا تھا۔ اب یہ قرار پایا کہ بعد وفات بصالت جنگ وہ علاقہ سرکار انگریزی کے قبضے میں آجائے۔ لیکن اگر وہ سرکار انگریزی کے کسی دشمن کو پناہ یا مدد دیگا تو سرکار فوراً اُس پر قبضہ کر لیگی۔ مگر اس نے فرانسیسی افسروں کے ماتحت ایک فوج تیار کی اور آخر کار سرکار کمپنی بہادر کو اپنا سارا علاقہ دیدیا۔ اور فرانسیسی افسر نکالے گئے اور انگریزی فوج کا دستہ رکھا گیا اور اس انتظام کی خبر نظام حیدر آباد کو دی گئی۔ اور نیز سات لاکھ روپیہ سالانہ نظام کو دینا منظور کیا تھا۔ وہ چند سالوں سے ادا نہ ہوا تھا۔ اُس کا بھی تقاضا ہوا۔ اس سے نظام بڑا ناراض ہوا اور مرہٹوں اور حیدر علی کے ساتھ سازش کی۔ تاکہ انگریزوں کی طاقت دکن میں توڑ ڈالیں مگر گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز کو جب پتا لگا تو اُس نے حیدر آباد کو مدراس گورنمنٹ سے علیحدہ کر دیا گنتور کا علاقہ نظام کو واپس دیدیا اور روپے کے ادا کرنے کا بھی وعدہ کیا اس طرح سے یہ سازش ناکام رہی۔ لیکن چونکہ نظام نے بصالت جنگ کی موقوف کردہ فرانسیسی فوج کو نوکر رکھ لیا تھا۔ اور یہ خلاف عہد تھا۔ تو سرکار انگریزی نے اُس سے درخواست کی یہ فوج نکال دی جائے تب یہ روپیہ ادا کیا جائیگا۔ ۱۷۸۸ء میں نظام علی کا ارادہ سلطان ٹیپو سے عہد وپیمان کرنے کا تھا۔ لیکن سلطان ٹیپو چونکہ حسب نسب کے لحاظ سے ادنی درجہ کا تھا اس لئے نظام اس درخواست سے سخت ناراض ہو گیا اور انگریزوں کے ساتھ ہی ملا رہنا چاہا۔ انگریزوں نے وعدہ کیا کہ مالا گھاٹ کا علاقہ جب ان کے ہاتھ آئیگا تو وہ نظام کو دینگے اور ۱۷۶۸ء کے معاہدوں کے مطابق ہر دشمن کے مقابلہ میں اُس کی مدد کرینگے اور اگلے سال نظام نے دس ہزار فوج سے لارڈ کارنوالس کو ٹیپو کے مقابلہ میں مدد دی۔ لیکن ۱۷۹۳ء میں نانا فرنویس مرہٹوں کے سردار نے نظام کو دھمکیاں دینی شروع کیں اور نظام نے حسب معاہدہ سر جان شور سے مدد طلب کی لیکن وہاں سے انکار ہوا۔ ۱۷۹۵ء میں مرہٹوں کی فوج اور نظام کی فوج کا مقابلہ ہوا مرہٹوں کی فوج کا شمار تقریباً ایک لاکھ تیس ہزار تھا اور نظام کی فوج کا ایک لاکھ دس ہزار۔ اور بمقام کرولا نظام علی کو شکست ہوئی اور تقریباً تین لاکھ پچاس ہزار پونڈ سالانہ آمدنی کا علاقہ مرہٹوں کو دینا منظور کیا۔ ۱۷۹۸ء میں جب ٹیپو سلطان نے بونا پارٹ شاہ فرانس سے سازش کی کہ کسی طرح سے انگریزوں کو ہند سے نکال دے اور جب مرہٹوں اور گوالیار نے بھی انگریزوں کا ساتھ دینا نہیں چاہا تب نظام حیدر آباد نے فرانسیسی فوج کو

موقوف کر دیا۔ چھ ہزار انگریزی فوج کو اُن کو کی جگہ رکھ لیا اور انگریزوں کا ساتھ دیا۔ اُس وقت سے انگریزی تاثیر اور رسوخ برابر حیدر آباد میں چلا آیا ہے۔ جب ٹیپو کو شکست ہوئی تو اس کا علاقہ انگریزوں اور نظام نے آپس میں بانٹ لیا اور انگریزوں نے نظام کو مرہٹوں کے حملوں سے بھی بچایا۔

نظام علی کی وفات کے بعد ۱۸۰۳ء میں اُس کا بیٹا نظام مقرر ہوا اُس نے مرہٹوں کے ساتھ سازش کرنی چاہی۔ لیکن راز فاش ہو گیا اور انگریزوں نے در گزر کی۔ اس کے بعد نظام کی مالی حالت بگڑی اور باہر کمپنی اور دیگر ساہوکاروں نے بہت قرض دیا تھا اور اس کے عوض بہت سود اور نفع طلب کرتے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر گورنر جنرل نے پھر دخل دیا اور جو سات لاکھ سالانہ سرکار انگریزی نے نظام کو دینے کا وعدہ کیا تھا اس کے عوض ایک رقم کثیر یک مشت نظام کو دیدی گئی اور وہ خراج ہمیشہ کے لئے موقوف ہو گیا۔ لیکن اس عارضی مدد سے نظام کو بہت زیادہ فائدہ نہ پہنچا۔ بعد ازاں کوئی خاص واقع قابل ذکر نہیں گزرا۔

موجودہ نظام میر محبوب علی خاں صاحب بہادر نواب افضل الدولہ کے فرزند رشید ہیں ان کے پہلے وزیر اعظم سر سالار جنگ بہادر تھے نہایت ذیعقل متبر اور صاحب فہم تھے آج کل جو وزیر اعظم ہیں وہ راجہ راجایاں اور مہاراجہ راجہ کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت ہیں وہ بھی ہر دلعزیز ہیں ہندوؤں محمدیوں کے اتفاق کی ایک مثال ہے کہ محمدی ریاست میں ہندو وزیر ہو۔ جیسے مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب کے پاس فقری صاحب تھے۔ ریاست پٹیالہ میں بھی محمدی وزیر ہوا کرتے تھے۔ ۱۸۰۰ء میں ایک عہد نامہ سرکار انگریزی اور نظام کے درمیان ہوا تھا۔ جس میں حضور نظام نے وعدہ کیا تھا۔ کہ میں چھ ہزار پیادہ اور نو ہزار رسالہ بوقت جنگ سرکار کی مدد کے لئے بھیجو نگا۔ نیز اپنی ساری فوج سے مدد کرو نگا۔ اب اس فوج کے عوض کنٹجنٹ فوج آٹھ ہزار دو سو سوار و پیادہ انگریزی افسروں کے ماتحت ساتھ چھاونیوں میں رکھی گئی ہے۔ ریاست خوشحال معلوم ہوتی ہے پولیس اور فوج کا انتظام اچھا ہے۔ خزانہ معمور ہے ریزیڈنٹ صاحب کا محل شہر سے باہر ہے۔ شہر میں سکہ مغلیہ نظانیہ ہے۔ رزیڈنسی میں انگریزی سکہ چلتا ہے۔ ویسا ہی شہر کے اندر ریاست کا ڈاکخانہ ہے۔ رزیڈنسی میں انگریزی۔ یہ دو عملی البتہ باعث خرابی ہے۔ اچھا ہوتا اگر ایک ہی انتظام رہنے دیتے۔ مصریحہ رموز سلطنت خویش خسرواں دانند۔

موجودہ نظام دکن کے بارہ میں یہ عجیب افواہ سنتے ہیں، کہ آنحضرت کو سانپ کے ڈسے کا ایسا عمل یاد ہے کہ اگر سانپ کے ڈسے شخص کے کان میں زور سے یہ کہہ دیا جائے کہ میر محبوب علی خاں کی دہائی اور مار گزیدہ شخص وعدے کرے کہ میں اتنے عرصہ کے اندر خود حاضر خدمت ہونگا۔ تو سانپ کا اثر جاتا رہتا ہے۔ اس قسم کا عمل سگ بریدہ کا ایک اور نواب صاحب کو یاد ہے اور وہ مفت علاج کرتے ہیں۔ آج کل کی ڈاکٹری کیا کہیگی۔

تیسرا باب

انجمن پرہیزگاری

اس علاقہ میں تاڑ کے درخت بکثرت ہیں۔تاڑ کے دود کی گویاندیاں جاری ہیں۔ ہر کس وناکس کے گھر میں تاڑ کے دور جاری ہیں آنکھوں میں سسرور دل میں فرحت لیکن دماغ میں فتور اسی کا چوچلہ ہے۔تازہ رس تو خوشگوار شربت ہے لیکن ذرا دیر رکھنے سے شراب سے بدل جاتاہے۔اور دل ودماغ کو خراب کرتاہے اگرچہ محمدی ریاست ہے لیکن شراب کے لحاظ سے محمد شاہی دروہے۔اس لئے اس کثرت شراب نوشی کو رد کرنے کے لئے کئی انجمنیں پرہیزگاری کے متعلق جاری ہوگئی ہیں۔اگرچہ یہ بھی ایک فیشن ہے۔چنانچہ بعض لکچرار کے بارہ میں جومے نوشی کے خلاف لکچر دیتے ہیں یہ سنا گیاکہ وہ پیکر لکچر دیتے ہیں۔ بعضوں کا خیال ہے کہ ایسی انجمن کی ضرورت وہاں اس لئے ہے۔کہ انگریزی شراب کی بکری وہاں بہت کم ہے اور دیسی شراب کی مخالفت اور ممانعت ہر طرح سے کی جاتی ہے۔دیسی شراب خانہ بند ہوااورانگریزی شراب خانہ خراب کو ترقی ہو۔ورنہ خالص سنیدھی اور تاڑی سے کہتے ہیں کہ وہ نقصان ہر گز نہیں ہوتاجوانگریزی شرابوں سے ہوتاہے۔انگریزی شرابوں میں الکحل بہت زیادہ اورمادہ غذایہ بہت کم ہوتاہے۔پھر بھی ایسی انجمنیں مفید ہیں اگرچہ ان میں اکثر وہی لوگ شامل ہوتے ہیں جوپہلے ہی اس سے کنارہ رہتے ہیں لیکن وہ انجمن کے ممبر ہونے کی حیثیت سے اوروں پراس کی قباحتیں ظاہر کرکے ان کوپرہیزگاری کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔

ایسی انجمن کی ایک شاخ مشن احاطہ میں پادری گولڈ سمتھ صاحب کے ذریعے جاری ہوئی۔ایک محمدی نوجوان سکرٹری بھی مقرر ہوالیکن ابھی کوئی باقاعدہ انتظام نہ ہوا تھااور نہ کوئی کمیٹی مقرر ہوئی تھی کہ کاروبار کو سرانجام دے میرے حیدرآباد میں جانے پر پادری صاحب نے ایک جلسہ عام کیا۔ ۲۵ اگست کو بہت نوجوان جمع ہوئے اور کہا گیاکہ پرہیزگاری کے بارہ میں لکچر دوں چنانچہ میں نے چندامور کا بیان مے نوشی کے خلاف کیا۔ وہ چندامور یہ ہیں۔

- پرہیزگاری سے مراد

(الف۔)اعتدال سے بچنا۔

(ب۔)مضریات سے بچنا۔

(ا۔)اعتدال سے مراد ہے میانہ روی یعنی نہ کثرت کی طرف جھکنانہ تلت کی طرف۔چنانچہ ارسطونے کہاہے "خیر الاموراوساطہیا۔

(۲۔) مضریات۔یعنی نقصان دہ چیزیں یعنی اُن سے کرناچاہیے۔

(ج۔)مے نوشی۔

(ا۔) قانون اعتدال کے خلاف ہے۔

(۲۔)مضریات میں سے ہے کیونکہ الکحل جو شراب میں پایاجاتاہے وہ زہر ہے۔ جس سے اعضائے رئیسہ دل، دماغ، گردہ وغیرہ کو نقصان پہنچتاہے۔

(د۔)مے نوشی کے نقصانات۔

(الف)(۱۔)اس سے لے پروائی پیدا ہوتی ہے اگرچہ شراب خور بڑی خاطر کرنے والے ہوتے ہیں اور دوسروں کو اپنی شراب میں سے مفت دینے کو راضی ہوتے ہیں۔ لیکن سخت لاپروائی اُن میں پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اس لڑکے کی مانند ہیں جو کسی کرارے پر چل رہا ہے گیت گاتا اور خوشی میں مست ہے لیکن نیچے کھڈ پر اس کی نظر نہیں پڑتی۔ محمد شاہ بادشاہ کا حال یاد ہے۔ کہ جب نادر شاہ نے اُسے خط لکھا کہ میرے بعض آدمی بھاگ آئے ہیں اُن کو پکڑ کر واپس کر دو جب یہ خط پہنچا تو محمد شاہ صاحب کے سامنے شراب کا دور چل رہا تھا۔ بادشاہ نے خط لے کر شراب کے پیالہ میں ڈبو دیا اور کہا کہ "ایں دفتر بے معنی غرق مے ناب" نتیجہ یہ ہوا کہ نادر شاہ دلی تک آ گیا تب محمد شاہ کو ہوش آئی۔ دلی میں تین دن تک قتل ہوا۔ خون کی ندیاں بہ گئیں۔ مغلیہ جاہ و جلال تخت طاؤس وغیرہ لوٹا گیا۔ یہ نتیجہ اس شراب خانہ خراب کا تھا۔ کہ اُس نے ایسی لے پروائی محمد شاہ کی طبیعت میں پیدا کر دی تھی۔

(۲۔)اس سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔ ہوش کسی کام کی نہیں ہرتی منصبی فرائض ادا نہیں ہو سکتے۔ کئی شخصوں کے بارہ میں یہ مشاہدہ ہوا کہ سرکاری عہدے اُن سے چھن گئے۔ سخت ذلت سے پیٹ پالنے کی نوبت آئی۔ اسی شراب کے باعث۔

(۳۔)بدن سے بھی آدمی غافل ہو جاتا ہے۔ ایک نوجوان لاہور میں تھا جس نے شراب کی حالت میں اپنے آپ کو پھونک لیا۔ اور جل کر کباب ہو گیا۔

(۴۔)شرابی اپنے خاندان سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کا حال یاد ہے جو اپنے دوستوں کے ساتھ گھر میں شراب پیا کرتا تھا۔ اور وہی دوست اُس کی بیوی اور بہنوں کو نکال لے گئے اور آں حضرت کو پیچھے ہوش آئی۔

(۵۔)عزت کی پرواشراب کو نہیں رہتی۔

(۶۔)دین سے غافل ہو جاتا ہے مجھے ایک شخص سے گفتگو کا اتفاق ہوا۔ جس نے بیان کیا کہ جب سے شراب کی عادت اُس کو ہوئی دین کی طرف سے نہ صرف غفلت ہوئی بلکہ دین کا انکار کیا اور دہریہ بن گیا۔ اور شائد یہی وجہ تھی کہ احبار ۱۰۔۹ میں یہ ہدایت کاہنوں کو ہوئی۔

"جب تم جماعت کے خیمے میں داخل ہو تو مے یا کوئی چیز جو نشہ کرنے والی ہو نہ پیجیو اور نہ تیرے بیٹے نہ ہو کہ تم مر جاؤ۔۔۔۔تاکہ تم حلال اور حرام پاک اور ناپاک میں تمیز کرو تاکہ تم سارے احکام بنی اسرائیل کو سکھاؤ۔

(۷۔)فضول خرچی تو شراب نوشی کا قدرتی نتیجہ ہے یہ زمانہ ہی فضول خرچی کا ہے اور فضول خرچی کا انجام کنگال پن ہے۔

(۸۔)شرابی سوسائٹی کے سامنے ایک بدنمونہ ہے خود شرابی بھی اس بات کا قائل ہے اس لئے اکثر شرابی اپنے عزیزوں سے چوری پیتے ہیں۔ شرابی کا اعتبار کیا نہیں جاتا۔

(۹۔)زناکاری اس کی رفیق بہن ہے۔ اور تباہی کی یہ ماں ہے۔ کولمبس کی زندگی کا احوال پڑھنے سے معلوم ہوا کہ جب یورپین کے ذریعے جزیروں میں شراب داخل ہوئی وہ جزیرے جو پہلے لہلہاتے اور سرسبز نظر آتے اور انسان سے آباد تھے اب تباہ ہو گئے ہیں۔

(ب۔)بدنی نقصانات۔

(۱۔)معدہ کو شراب کمزور کر دیتی ہے۔ کہتے ہیں کہ شرابی کے معدہ پر خاص داغ ہو جاتے ہیں۔

(۲۔)تپ دق کا خاص ایک سبب مے نوشی ہے۔

(۳۔)عقل پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ دماغ جو ایسا نازک اور لچلچا ہوتا ہے وہ شراب کے ذریعے سخت ہو جاتا ہے۔ اور اپنا معمولی کام نہیں کر سکتا پس ایسے سخت دیو کا مقابلہ کس طرح کرنا چاہیے۔

(ہ۔)(۱۔)بعض سمجھتے ہیں کہ مے خانوں کے آگے جاکر شراب کی مذمت کرنا چاہیے تاکہ جو شراب پینے وہاں جاتے ہیں اُن کو شراب کے نقصان معلوم ہو جائیں۔ لیکن اس سے تو شراب خانوں کا اچھا اشتہار ہو جاتا ہے۔ اور شائد اس روز زیادہ بکری ہو۔

(۲۔)دوسرے رسالے اور پرچے مے نوشی کے خلاف شائع کرنا۔

(۳۔)اس قسم کے جلسے کرنا جس میں حاضرین پر پرہیز گاری کے فوائد ظاہر کئے جائیں۔

(۴۔)لیکن سب سے بڑھ کر شخصی کام ہے اگر ہر شخص جس نے پرہیز گاری کا عہد کیا ہے اپنے کسی دوست یا آشنا کو جو اس مرض میں گرفتار ہو بچانے کی کوشش کرے تو بہت جلد یہ کام کامیاب ہو گا۔ دیوجانس کلبی کی مثال مجھے خوب یاد رہتی ہے۔ کہ جب وہ کسی دوست کو کسی ضیافت میں جاتے دیکھتا تو اس کو بغل میں لے لیتا اور ایسے تپاک اور ہمدردی سے بیان کرتا کہ وہاں تو ایک رقاب میں ہیضہ ایک میں گھٹیا ایک میں فلاں دوسرے میں فلاں مرض ہے اور اُس دوست کو پھسلا کر اُس کے گھر پہنچا دیتا اگر ہم کو یقین ہے کہ شرابی ایسے خطروں سے گھرا ہے اور ہم نے فی الحقیقت اُس کی بہبودی چاہتے ہیں تو ہم بھی اس قسم کا سلوک کریں۔

(۴۔)مے نوشی کے خلاف عہد لینا یا قسم کھانا اکثر مفید ہے۔ اس کے ذریعہ ہم ایک دوسرے کو پہچان سکتے ہیں۔ ہم کو یہ وعدہ یاد دلاتا ہے رہتا ہے۔ اس کے ذریعے دوست شراب نوشی پر مجبور نہیں کرتے۔

(۵۔)لیکن یہ سارے وسائل ناقص رہینگے۔ جب تک خُدا کی طرف سے مدد نہ ملے اور اس مدد الٰہی کے لئے خُدا سے دعا مانگنا نہایت ضرور ہے۔

میرے لکچر کے ختم ہونے کے بعد ایک مسلمان نوجوان عظیم الدین نامی نے اور بعدہ پادری گولڈ سمتھ صاحب نے کچھ بیان فرمایا۔ بعدہ بعض لوگوں نے عہد پر دستخط کیا۔ اور پرہیز گاروں کا شمار ۳۵ کے قریب ہو گیا۔ ان ممبروں میں سے کمیٹی چنی گئی۔ پادری صاحب نے چائے اور بسکٹ پیش کی جس میں مسیحی اور مسلمان شریک ہوئے اور جلسہ برخاست ہوا۔

چوتھا باب

نومسلم کا لکچر

حیدر آباد میں ایک بنگالی برہمن ادھڑ عمر کے رہتے تھے۔ یہ صاحب علم فلسفہ میں ڈاکٹر تھے یورپ کے بعض ممالک کا سیر بھی کر چکے تھے، مختلف مذاہب سے واقفیت بھی حاصل کی تھی۔ مسیحی مذہب کی طرف بھی توجہ رہی لیکن آخر کار جامع مسجد میں کلمہ پڑھ کر محمدی بن گئے اُنہوں نے فتح میدان میں مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کی وجوہات بیان کیں اور اثنائے تقریر میں یہ بھی بتایا کہ کیوں وہ مسیحی نہیں ہوئے۔ میں اور پادری گولڈ سمتھ صاحب بھی ۲۶ اگست ۱۹۰۴ء کو یہ لکچر سننے فتح میدان میں گئے۔ یہ میدان خوبصورت وسیع گھوڑ دوڑ کے لئے مخصوص ہے۔ ایک مکان بھی بنا ہوا ہے جس میں ایک بڑا ہال ہے۔ جہاں وقتاً فوقتاً لکچر ہوا کرتے ہیں۔ لیکن اس وقت میدان میں خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ وہاں کئی سو مسلمان لکچر سننے کو جمع ہوئے۔ ہمیں خاص اس امر کا خیال تھا کہ وہ مسیحی مذہب کے متعلق اپنی رائے کیا ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے مفصلہ ذیل وجوہات مسیحی دین سے علیٰحدہ رہنے کی بیان کیں۔

(۱۔) مسیحی جماعت میں رومی کلیسیا اور اُس کے خادمان دین کی طرز زندگی اُن کو بڑی پسند تھی۔ اگر وہ مسیحی جماعت میں شامل ہوتے تو رومی کلیسیا میں داخل ہوتے لیکن کئی وجوہات سے داخل نہ ہوئے۔

- مسیحیوں کا مسئلہ کفارہ ان کی سمجھ میں نہیں آیا۔
- عذاب ابدی کا مسئلہ ان کو تمیز و عقل کے خلاف معلوم ہوا۔
- مسئلہ تثلیث نے خاص کر (جیسا مقدس اتھانا سیس کے عقائدہ نامہ میں مذکور ہے) اُن کی عقل کو حیران کر دیا۔
- مسائل کی کثرت نے اُن کو ڈرایا۔ (جیسا کہ انتالیس مسائل دین انگریزی کلیسیا کے ہیں)۔

علاوہ ازیں مفصلہ ذیل امور نے اُن کو خاص کر اسلام کی طرف رجوع کیا۔

(۱۔) محمدی دین کی تواریخی بنیاد ہے۔ محمد صاحب کی ہستی پر تواریخی طور پر کوئی شک نہیں ڈال سکتا۔ حالانکہ بدھ اور مسیح کی ہستی پر لوگوں نے شک ڈالے ہیں کہ آیا کوئی ایسے اشخاص فی الحقیقت گزرے ہیں یا نہیں۔ لیکن محمد صاحب کی ہستی اظہر من الشمس ہے۔

(۲۔) محمد صاحب کی زندگی ایسی عجب اور موثر اور بے داغ ولوث گزری ہے کہ کوئی اس پر داغ نہیں لگا سکتا۔

(۳۔) محمدی دین میں کوئی وہمی اور خیالی باتیں نہیں۔ جیسے کہ دیگر مذاہب میں ہیں۔

(۴۔) قرآن ایسی اعلیٰ کتاب جہان میں ہے کہ کوئی کتاب اس کی ثانی نہیں۔ اس کی صحت کے قائل دوست و دشمن دونو ہیں۔ مسیحی نوشتوں کی مانند نہیں کیونکہ اُن کی صحت کے قائل خود مسیحی نہیں قرآن میں ایسی یگانگت پائی جاتی ہے۔ کہ کسی اور کتاب میں پائی نہیں جاتی۔ مسیحیوں کی کتابیں صحیح سالم ہم تک نہیں پہنچیں جیسے کہ قرآن پہنچا ہے اور قرآن میں کوئی قصہ کہانی یا فساد نہیں جیسے دوسری مذہبی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔

(۵۔) ایک خُدا کی تعلیم ہے نہ تین خُداؤں کی۔

(۶۔)عام فہم مسئلہ نجات یہ ہے من قال لا اللہ الا اللہ۔ پس جس نے کہہ دیا لا الا اللہ پس وہ داخل ہو گیا جنت میں اس میں انتالیس مسائل کا جھمیلا نہیں۔

(۷۔) محمدی دین عملی ہے۔یعنی انسان اُس پر عمل کر سکتا ہے۔ بدھ اور مسیحی دین کی ہدایات عملی نہیں وہ انسان کی طاقت سے بڑھ کر ہیں۔ مثلاً یہ ہدایت کہ جب کوئی تیری داہنی گال پر طمانچہ مارے تو بائیں گال بھی اُس کے آگے کر دے۔ کون اس پر عمل کر سکتا ہے روس جہاں سب سے زیادہ مسیحی دین کا چرچا ہے اور خود شہنشاہ خاص دیندار بادشاہ دین کا حامی ہے۔ وہ جاپان کے ساتھ کیوں لڑ رہا ہے۔ شائد اُس کا شکست پر شکست پانا اسی ہدایت پر عمل کرنے کا باعث ہے کہ وہ داہنی گال پر مار کھا کر جاپان کو کہتا ہے کہ آب بائیں پر بھی مار لے۔ تجرد کی جو تعلیم اور رواج مسیحیوں میں ہے، اُس کی قباحتیں سب پر روشن ہیں۔ایک بیوی رکھنے کا یہ نتیجہ ولایت میں ہوا ہے۔ کہ ایک ایک عورت کئی کئی خاوند رکھتی ہے۔ لیکن بر خلاف اس کے محمدی دین میں دو تین چار تک بیویاں کر سکتے ہیں۔

بعدہ چند یورپین لوگوں کا ذکر کیا۔ جنہوں نے محدی دین کی تعریف کی اور محمدیت کو ترجیح دی۔اور اُن میں سے بعضوں نے مرتے وقت محمدی دین کو قبول کیا۔

پس یوروپ محمدی دین کے واسطے گویا تیار ہے۔ حیدر آباد میں ایک انجمن اشاعت اسلام کی ایسی ہونی چاہیے جو یوروپ میں محمدی مشنریوں کو بھیجے اور میں بھی اپنی خدمت ایسی انجمن کی نذر کرنے کو تیار ہوں۔

لکچر ختم ہونے پر بڑی تالیاں پیٹی گئیں۔ خوشی کے نعرے بلند ہوئے۔ بعد اس کے انگریزی لکچر کا اُردو ترجمہ پڑھ کر سنایا گیا۔اُس کے بعد مولانا گرامی صاحب جالندھری نے چند اشعار محمد صاحب کی تعریف میں پڑھ کر سنائے۔ جن میں اُنہوں نے محمد صاحب کا مقابلہ دیگر پیغمبروں خاص کر مسیح سے کر کے اُن کو سب سے اعلیٰ ٹھہرایا۔اُنہوں نے ذکر کیا کہ پور مریم کا تو یہ معجزہ تھا۔ کہ اپنی سانس سے مردہ کو زندہ کیا کرتے تھے۔ لیکن محمد صاحب کا یہ معجزہ تھا کہ روحانی مردوں کو زندگی دیتے اور جو اُن پر ایمان لاتا ہے وہ کبھی نہیں مرتا۔اور مسیح تو اندھوں کو روشنی دیتے تھے۔ لیکن محمد وہ نور ہے جو دنیا کی پیدائش سے پیشتر خلق کیا گیا۔اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

پانچواں باب

میں مسیحی کیوں ہوں

ڈاکٹر نشینی کنٹھ کے لکچر کے بعد پادری گولڈاسمتھ صاحب نے فرمایا کہ یہ مناسب ہوگا کہ ایک لکچر مسیحیوں کی طرف سے دیا جائے۔ جس میں اُن اعتراضوں کی تردید ہو۔ جو ڈاکٹر صاحب نے اپنے لکچر میں مسیحی دین پر کئے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے یہ تجویز کی کہ میں اپنے مسیحی ہونے کا حال سناؤں ڈاکٹر صاحب توہندو دین چھوڑ کر محمدی ہوئے تھے۔ میں محمدی دین چھوڑ کر مسیحی ہوا تھا۔ اگران وجوہات کا ذکر کیا جائے۔ جن کے باعث میں نے محمدیت کو ترک کیا تو عین مناسب اور حسب الموقع ہوگا۔ چنانچہ اُنہوں نے سنیچر کو نوٹس چھپوائے کہ پادری علی بخش پنجابی اور پادری گولڈاسمتھ صاحب یکم ستمبر کو بروز جمعرات اس مضمون پر لکچر دینگے۔ کہ "میں مسیحی کیوں ہوں"۔ نوٹس شائع کئے گئے۔ اتوار کو میں نے وعظ کے لئے مکاشفہ ۲۔۸ سے ۱۱ تک کو لیا اور اس امر کو ظاہر کرنا چاہا۔ کہ موت تک وفادار رہ تو میں زندگی کا تاج تجھے دونگا۔

یکم ستمبر کو مشن ہوس کے احاطہ میں میز کرسی بنچ لگائے گئے، کپتان فالین صاحب میر مجلس مقرر ہوئے۔ اور شام کے وقت لکچر شروع ہوا۔

لکچر

اس عجیب موقع کے لئے میں خُداوند کریم کا ممنون احسان ہوں اور اسی سے یہ دعا ہے کہ وہ اس موقع کو اپنے جلال اور اپنے بندوں کی ہدایت کا وسیلہ بنائے۔

(الف۔) جس امر کا ذکر کیا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میں کیوں مسیحی ہوں؟ ہر فرد بشر پر لازم ہے کہ یہ سوال اپنے آپ سے کرے کہ میں کیوں ہندو یا محمدی یا مسیحی ہوں۔ سیلاب زمانہ کے ساتھ بہانہ چلا جائے۔ خواب غفلت میں رہ کر دین و دنیا کو ہاتھ سے کھونہ بیٹھے بلکہ سنبھلے اور خبردار ہو۔ آنکھیں کھول کر دیکھئے میں کون ہوں کہاں ہوں۔ اُمید ہے آپ جو یہاں تشریف لائے ہیں اور اپنے عزیز وقت کو اس لکچر کے لئے گویا وقف کر چکے ہیں۔ ضرور ان چند خیالات سے فائدہ حاصل کرینگے۔

(ا۔) جب کوئی شخص اپنے سے یا کسی دوسرے سے یہ سوال کرے کہ میں کیوں یا تم کیوں ہندو یا محمدی یا مسیحی ہو تو اکثر صورتوں میں یہی جواب ملیگا۔ پیدائش سے۔ میرے والدین کا یہی مذہب تھا۔ اس لئے میرا یہی مذہب ہے۔ میں اپنے والدین سے دانا و بزرگ نہیں۔ اس لئے میں انہیں کے مذہب کا پیرو ہوں۔ میں نے اسی مذہب میں تعلیم و تربیت پائی۔ مجھے یہی اچھا اور عمدہ مذہب معلوم ہوتا ہے۔ اکثر یہی جواب دینگے خواہ ہندو ہوں خواہ محمدی اور مسیحی۔ ہندو لوگ تو اس کو گوان کے اصول کے خلاف ہو ایسا پختہ مانتے ہیں کہ وہ تبدیلئے مذہب کو سخت گناہ سمجھینگے۔ ان کے نزدیک مذہب سے نکلنا قوم سے نکل جانا ہے البتہ اس روشنی کے زمانے میں آریاؤں نے جب دیکھا کہ اس قوم میں سے اخراج ہی اخراج ہے محمدی اور مسیحی اس قوم کو بتدریج گھٹا رہے ہیں تو اُنہوں نے بھی آمد کی صورت نکال لی۔ اور دیگر مذاہب میں سے مرید بنانا شروع کئے۔ چنانچہ حال ہی میں ایک محمدی تعلیم یافتہ بی۔اے گوجرانوالہ میں آریا بن گیا۔ اور اب ہندو مذہب کی تعلیم کے لئے شائد بنارس گیا ہے۔ لیکن مسیحی اور محمدی تبدیلی مذہب کو اگر جائز وسیلوں سے ہو تو عیب نہیں سمجھتے۔ کیونکہ ان کے پیشوا یعنی حضرت ابراہیم اور محمد صاحب اپنے آبائی مذاہب کو چھوڑ کر ایک نئے مذہب کے نہ صرف پیرو بلکہ بانی ہو گئے اور ہزاروں لاکھوں کو ان کے آبائی مذاہب سے نکال کر اپنے اپنے مذہب میں شامل کیا۔ پھر بھی کم تعلیم یافتہ یا متعصب صاحبان کسی کی تبدیلی مذہب کو بُرا

جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جس مذہب میں کوئی پیدا ہوتا ہے اسی مذہب میں ضرور اُس کو رہنا چاہیے۔ لیکن اے صاحبان یہ بڑی غلطی ہے۔ یاد رکھئے کوئی شخص اپنی پیدائش سے ہندو محمدی یا مسیحی نہیں ہوتا۔ ہر مذہب اصولاً ایسی رائے کے خلاف ہے۔ ہندوں کا مقولہ ہے کہ جنم کے لحاظ سے ہر کوئی شودر ہوتا ہے۔ کرم کے لحاظ سے برھمن چھتری وغیرہ بن جاتا ہے۔ محمدی اگرچہ کہتے ہیں کہ ہر شخص فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن وہ اس کے معنی غلط طور سے لیتے ہیں۔ چنانچہ ان کا رواج اس معنی کی غلطی کو ظاہر کر رہا ہے۔ جب کوئی بچہ محمدی خاندان میں پیدا ہوتا ہے تو اس کو تکبیر یا کلمہ سنایا جاتا ہے۔ تب گویا وہ مسلمان ہوتا ہے۔ ویسے ہی ختنہ جس کا نام ہی پنجاب میں مسلمانیاں ہے بچہ کو مسلمان بنا دیتا ہے گو یہ فرض نہ ہو لیکن ایسی سنت ہے۔ کہ شائد کوئی مسلمان خاندان اپنے لڑکوں کو بلا ختنہ رہنے نہ دیگا۔ اور فرض ادا ہوں یا نہ ہوں۔ یہ سنت ضرور وارد ہونی چاہیے۔ یہ سنت حضرت ابراہیم سے چلی آئی ہے جس کو بڑھاپے میں ختنہ کا حکم ملا اور اُس نے بڑھاپے میں اپنا اور اپنے بچوں کا ختنہ کرایا۔ محمدی جو ملت ابراہیم پر چلنے کا دعویٰ رکھتے ہیں ضرور اس رسم پر بھی عمل کرتے ہیں۔ دس پندرہ سال سے پیشتر یہ سننے میں نہ آیا تھا کہ کوئی شخص بلا ختنہ کرائے بھی محمدی ہو سکتا ہے۔ آج کل جب یوروپین میں سے بعض لوگ محمدی ہو گئے اُن کو ختنہ کی تکلیف نہ دی گئی۔ عام محمید اب تک غالباً کسی نامختون کو اپنی بیٹی بیاہ میں دینا نہ چاہینگے۔ افسوس ہے کہ محمدی اس رسم کو آجکل ڈھیلا کرنے لگے ہیں۔ یہ نو مسلم کی سچائی کا اچھا معیار ہوتا۔ جو شخص ختنہ کی تکلیف کو گوارا کرنا نہیں چاہتا وہ اس مذہب کے لئے جان دینے کے لئے کب تیار ہو گا۔

مسیحیوں کا تو یہ اصول ہے اور بچپن ہی سے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ سرشت سے ہم گناہ میں پیدا ہوتے ہیں اور قہر کے فرزند ہیں۔ لیکن روح اور پانی کے بپتسمہ کے ذریعے آسمان کی بادشاہت کے وارث ہو جاتے ہیں۔

پس اے حضرات یہ دلیل کافی نہیں۔ بیشک ایماندار گھرانے میں پیدا ہونے سے کئی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن نجات کسی گھرانے یا مذہب میں پیدا ہونے پر موقوف نہیں۔ سیدنا مسیح نے فرمایا ہے کہ "جو کوئی ایمان لاتا ہے اور بپتسمہ پاتا ہے وہ نجات پائے گا"۔

میں مسیحی گھرانے میں تو پیدا نہیں ہوا اور اس لئے ان حقوق سے جو ایماندار مسیحی خاندان میں پیدا ہونے سے اولاد کو حاصل ہوتے ہیں ان سے مدت تک محروم رہا۔ میں غیر مسیحی خاندان میں پیدا ہوا اور پیچھے خُدا کے فضل سے مسیحی ہو گیا۔

(۲۔) اب یہ سوال رہا کہ کیوں میں نے آبائی مذہب محمدی کو چھوڑا اور مسیحی دین اختیار کیا۔ یاد رہے کہ کسی مذہب کے ترک کرنے کے کئی ایک اسباب ہوا کرتے ہیں۔ اُن کو میں تین اقسام پر تقسیم کرتا ہوں۔

اول۔ ادنیٰ یا دنیاوی وسائل، مثلاً زر، زن، سوشل حالت وغیرہ اکثر وہ لوگ ان دنیاوی وسائل کے باعث ایک مذہب کو دوسرے مذہب سے بدل ڈالتے ہیں جو یا تو دین کو مانتے ہی نہیں دہریہ خیال کے ہوتے ہیں یا سمجھتے ہیں کہ سب دین یکساں ہیں یا اپنے دین کی نسبت اعلیٰ خیال نہیں رکھتے۔ دہریہ خیال کے لوگ ایک مذہب کو جو ظاہر اختیار کئے ہوئے تھے۔ منفت دینوی کے لئے زر کی اُمید پر عورتوں کی اُمید پر عزت کی اُمید پر ظاہر اور دوسرے مذہب سے بدل ڈالتے ہیں لیکن دل میں وہ جانتے ہیں کہ نہ وہ مذہب درست تھا۔ نہ یہ درست ہے جو دنیاوی نفع ان سے مل جائے وہ غنیمت ہے۔ اور جو لوگ سب مذہبوں کو یکساں جانتے ہیں وہ اُس مذہب کو قبول کرینگے۔ جس کے ساتھ دنیاوی منفعت بھی شامل ہے۔ یہ ان کی دانائی ہے۔ آج کل کسی نہ کسی وجہ سے مذہب کے تبدیل کنندوں پر یہی الزام لگایا جاتا ہے۔ اگر ہندو محمدی ہو جائے تو ہندو یہی کہینگے کہ کسی دنیاوی غرض سے زر یا زن کی خاطر محمدی ہوا ویسے ہی اگر کوئی محمدی ہندو یا مسیحی ہو جائے تو محمدی یہی الزام لگائینگے لیکن یہ الزام اکثر درست نہیں ہوتا۔

ذلیل اور پست قومیں جن کا مذہب بھی ذلیل اور پست ہے اعلیٰ قوموں میں شامل ہونے کی خواہاں ہوتی ہیں۔ایک ہندو دوکاندار یہاں شہر میں بیان کرتا تھا کہ یہاں کے دھیڑ (چمار قوم) جن کو ہم دکان پر کھڑا ہونے نہیں دیتے تھے۔اب محمدی ہو کر برابری کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مسیحیوں میں بھی شاید بعض پست قوم کے لوگ اسی لحاظ سے داخل ہو گئے ہوں۔

بعض بخوف جان ومال کسی مذہب کو قبول کرتے ہیں۔اس کی مثال خود ہندوستان ہی ہے۔ جہاں ہزاروں ہندو بخوف جان ومال محمدی ہو گئے۔ مجھے یاد ہے چند سال گزرے ہندو محمدیوں میں کچھ فساد ہوا۔چند گنڈوں نے اٹھ کر ہندوؤں پر حملہ کیا اُن کو زمین پر گرا کر کلمہ پڑھوانے کی کوشش کی۔ کسی مذہب کو ترک کرنے اور دوسرے مذہب کو اختیار کرنے کے یہ سب ادنی نالائق وسائل ہیں شکر ہے خُدا کا کہ میں تو خُدا کو مانتا تھا اور یہ نہیں سمجھتا تھا کہ سب مذہب یکساں درست یا غلط ہیں۔ بلکہ سمجھتا تھا کہ ضرور ایک مذہب درست ہے۔ سارے مذہب درست نہیں ہو سکتے اور نہ سارے مذہب غلط ہو سکتے ہیں۔ میرے نزدیک جو ایسے ناجائز ادنی وجوہات سے مذہب تبدیل کرتا ہے وہ ہر دو جہاں میں مجرم ہے۔

دوم۔ بعض دیگر وجوہات بھی مذہب کی تبدیلی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ بھی کلمہ کافی وجوہات نہیں۔ مثلاً۔

(۱۔) ہم مذہبوں کی بد چلنی۔اس سے سچ مچ بڑی تکلیف ہوتی چنانچہ بعض جگہوں میں یہ رواج دیکھ کر طبیعت کو بڑی نفرت ہوئی۔ کہ جب کوئی عورت ہندو مذہب کی بازار میں بیٹھنا چاہتی یعنی کسبی بننا چاہتی تو پہلے مسجد میں جا کر کلمہ پڑھتی۔ایسے واقعات دیکھ اور سن کر بڑا افسوس ہوتا۔ کہ ان ملانوں کو کیا ہو گیا کہ وہ ایسی عورتوں کو روپیہ سوا روپیہ کی خاطر کلمہ پڑھا کر بد چلنی کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔ان کو نہ محمدی دین اور نہ اخلاق کی تلقین کی جاتی ہے۔ لیکن اگر کوئی اس وجہ سے مذہب چھوڑے کہ اُس میں بد چلن لوگ پائے جاتے ہیں تو یہ کافی وجہ نہ ہو گی کیونکہ وہ دوسرے مذہب میں جا کر بھی فوراً معلوم کریگا کہ وہ بھی بد چلن آدمیوں سے خالی نہیں۔ ہمارے پاس بعض اوقات ایسے متلاشی آتے ہیں۔ جو یہی بہانہ پیش کرتے ہیں ہم اُن کو کہتے ہیں کہ مسیحیوں میں بھی بعض بُرے آدمی ملینگے تو پھر تم مسیحی مذہب کو ترک کروگے۔اس لئے اُن کو فوراً قبول نہیں کر لیتے اگر میں محمدیوں کی بد چلنی کے باعث محمدی مذہب کو ترک کرتا تو ہر گز درست نہ ہوتا۔

(۲۔) جس بستی کا میں رہنے والا تھا۔ وہاں ہندوؤں کی کثرت اور زور تھا۔ وہ محمدی دین پر بہت ہی ہنسی مخول کرتے تھے۔اس سے میرا دل بڑا دکھنے لگا۔ان دنوں میں ایک کتاب بنام تحفہ الہند ہاتھ لگی جس میں ہندو مذہب کی خوب گت بنائی گئی تھی۔اس میں یہ دلیل ہر گز دی نہیں گئی تھی کہ چونکہ ہندو مذہب کے پیشواؤں کو تواریخی ثبوت نہیں ملتا اس لئے اس مذہب اور ان پیشواؤں کو چھوڑ دینا چاہیے۔ یہ دلیل بڑی بودی ہوتی۔ کیونکہ تواریخ کا زمانہ بہت قدیم نہیں ہے چودہ پندرہ سو برس پہلے کی کافی تواریخ بعض ممالک واقوام کی نہیں ملتی۔ تو کیا یہ مذہب کا قصور ہے ہر گز نہیں۔اور نہ مذہب کے ترک کرنے کا معقول سبب ہو سکتا ہے آجکل تو وہ زمانہ ہے کہ آدمی کی ہستی ہی پر شک ڈالا جاتا ہے۔اگر کسی قدیم مذہب یا بانی مذہب کی ہستی پر آجکل شک ڈالا جائے تو کیا تعجب۔ جن چیزوں کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ معترض اُن کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ یہ تمہاری آنکھوں کا دھوکا ہو گا۔ کیونکہ آنکھیں کبھی کبھی دھوکا کھا جاتی ہے۔ ویسے ہی اگر کوئی آجکل اٹھ کر کہے کہ مجھے بدھا یا مسیح کی ہستی پر شک ہے تو اُس کے جواب میں صرف اتنا کہنا کافی ہو گا ۔کہ مجھے تمہاری ہستی پر شک ہے۔ شائد کوئی دو چار سو سال کے بعد کہہ دے۔ کسی کی زبان ہم پکڑ نہیں سکتے۔ کہ محمد صاحب کی ہستی پر مجھے شک ہے۔ حالانکہ ان کا مذہب پھیلا ہوا۔ہزاروں کتابیں ان کے بارے میں لکھی جا چکی ہیں۔ تو کیا ایسے شخصوں کے کہنے سے کوئی معقول طور پر ایسے مذہب کو ترک کر سکتا ہے۔ ہر گز نہیں۔ مذہب اور بانی مذہب اپنی تعلیم اور پیروؤں کے ذریعے اپنی ہستی کا کافی ثبوت رکھتے ہیں۔اور تواریخی ثبوت کا تو یہ حال ہے کہ جتنا میری اور آپ کی ہستی کا ثبوت مل سکتا ہے اتنا ہم سے دو پشت پہلوں کی ہستی کا ثبوت نہیں سکتا۔ پس جب اس قسم کا عذر یا دلیل مسیحی مذہب سے کنارہ

رہنے کی ایسے شخص سے سننے میں آئی جو نہ صرف محمدی بلکہ محمدی مشنری بننا چاہتا ہے اور قرآن کو صحیح مانتا ہے۔ تو مجھے بڑا تعجب ہوا کہ اُس نے بعض شخصوں کی بے تکی روایتوں کو قرآن کے بیان پر ترجیح دی جہاں مسیح کی اعجازی پیدائش اس کے معجزات اُسکا زندہ آسمان پر ہونا اور اُس کا دوبارہ آنا پورے طور سے مانا گیا ہے۔

(سوم۔) مذہب کے ترک کرنے کا کبھی یہ سبب بھی بتایا جاتا ہے کہ اس میں مسائل کی کثرت اور پیچید گی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے مسیحی دین میں یہ نقص نکالا کہ اسمیں انتالیس مسائل دین مسئلہ تثلیث، کفارہ وعذاب ابدی مسیحی دین کے قبول کرنے میں مانع ہوئے اور اُنہوں نے اس لئے محمدی دین کو قبول کیا کیونکہ اُس میں نہ مسائل کی کثرت، نہ مسائل کی پیچید گی پائی جاتی ہے۔ ایسے شخصوں کے ایمان کی بنیاد کیسی کمزور ہے۔ شائد کوئی انتالیس مسائل دین کا نام سن کر گھبرائے کہ یہ کیا طومار ہے۔ اے صاحبان بائبل کی تعلیم کا خلاصہ ایمان وعمل کے بارہ میں ان مسائل کی صورت میں آسانی کے لئے بیان کیا گیا ہے۔

مثلاً مسئلہ اول یہ ہے۔ اللہ واحد ذوالجلال اور برحق ہے اور ازلی وابدی ہے وہ غیر متجسد غیر منقسم اور غیر متاثر ہے۔۔۔۔۔ دوسرے مسئلہ میں کلام اللہ کا۔۔۔ وغیرہ کیا قرآن کی تعلیم کا خلاصہ محمدیوں میں پایا نہیں جاتا۔ امنت باللہ۔۔۔۔ یعنی ایمان لایا خُدا پر، فرشتوں پر، کتابوں پر، انبیا پر، یوم آخرت، وخیر اًو شراً من اللہ تعالیٰ پر اور مرنے کے بعد قیامت پر۔

عمل کے بارے میں پانچ اصول ہیں۔ کلمہ، نماز، روزہ، زکوات، حج، پھر ان کی تشریح، مثلاً خُدا کی صفات، حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام ویسے ہی نماز کی مختلف اوقات، پھر ہر وقت میں رکعتوں فرضوں کا شمار، وضو کے قوانین وغیرہ وغیرہ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ جس نے مسائل کی کثرت کے باعث کسی مذہب کو چھوڑا اور مذہب اسلام کو قبول کیا کہ وہاں تو محض اتنا مان لینا کافی ہے۔ لاالہ اللہ وہ جلد کثرت مسائل سے اکتا جائے گا، مخفی نہ رہے کہ ۳۹ مسائل دین۔ خاص اُن کو سکھائے جاتے ہیں۔ جو دین کے خادم یعنی پادری اور واعظ ہونا چاہتے ہیں۔ عام آدمیوں کو اُن کی تکلیف نہیں دی جاتی۔ ویسے ہی جو شخص محمدیوں کی طرف سے واعظ اور مشنری بننا چاہے۔ تو اُس کو ضرور اپنے دینی مسائل سے واقف ہونا پڑیگا اور یہ بیچارے عاشقان سادگی کو شاق گزریگا۔

مسائل پیچیدگی کا بھی یہی حال ہے۔ شروع میں مسائل عموماً سادہ ہوتے ہیں۔ پھر عالموں کی بحث وغیرہ کے ذریعہ پیچید گیاں پڑ جاتی ہیں۔ یہ مذہب کا قصور نہیں بلکہ عقل انسانی کے چٹخل پن کا نتیجہ ہے۔ مثلاً انجیل میں نہایت سادہ تعلیم ہے۔ ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ کو اکیلا سچا خُدا اور یسوع مسیح کو جسے تونے بھیجا ہے جانیں۔ (یوحنا ۱۷: ۳)۔

نماز ودعا کے بارہ میں صرف یہ قانون ہے "خُدا روح ہے اور اُس کے پرستاروں کو فرض ہے کہ روح اور راستی سے پرستش کریں"۔ جب تو دعا مانگے ریاکاروں کی مانند مت ہو۔۔۔ بلکہ اپنی کوٹھڑی میں جا اور اپنا دروازہ بند کرکے اپنے باپ سے جو پوشید گی میں ہے دعا مانگ (متی ۶: ۶)۔

یہاں نہ وقت کا شمار ہے۔ نہ قید نہ خاص طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کی شرط ہر طرف منہ کرکے دعا مانگ سکتے ہیں۔ نہ رکعتوں کا جھگڑا ہے۔ نہ وضو کی شرط نہ رمضان کے روزوں کی تاکید ہے بلکہ جب چاہے روزہ رکھ سکتے ہیں۔ ایسی سادگی اور ایسی خوبی کہاں پائی جاتی ہے۔ لیکن جیسا میں نے ذکر کیا۔ عقل انسانی ہر ایک امر کی چھان بین کرنا چاہتی ہے۔ محض سادگی پر اکتفا نہیں کرتی اس لئے جب انسان کو حکم ملا کہ تم کو ایک خُدا پر ایمان لانا چاہیے۔ تو عقل فوراً یہ سوال کرتی ہے۔ کہ ایمان کیا ہے پھر تو ایک طول طویل بحث شروع ہو جاتی ہے۔ اور وہ ایمان جو پہلے بالکل آسان امر معلوم ہوتا تھا۔ اب

مسئلہ لاینحل بن جاتاہے۔ چنانچہ اگر آپ تفسیر کبیر کی پہلی جلد میں اس بحث کو ملاحظہ فرمائیں۔ تو حیران ہو جائینگے کہ یہ ایمان آخر ہے کیا شے۔ اس تفسیر میں ایمان کی تعریف چار طرح سے کی گئی ہے۔

فرقہ اول کہتاہے "ایمان کی حقیقت زبان سے اقرار کرنا قلب وجوارح سے افعال کا عمل میں لانا"۔

فرقہ دوم کہتاہے "۔ایمان کا مدار قلب پر بھی ہے اور زبان پر بھی"۔

فرقہ سوم کہتاہے "ایمان فقط زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے۔

فرقہ چہارم کہتاہے "ایمان فقط زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے۔

ان فریق میں پھر اور بکثرت فریق ہیں۔

مسیحی دین میں ایمان کے متعلق یہ دقت نہیں کیونکہ وہاں نئے عہد نامہ میں ایمان کی تعریف کر دی ہے۔ اس لئے بحث کی ضرورت نہیں۔ دیکھو عبرانیوں کا ۱۱ باب گلتیوں ۵۔۶۔

ویسا ہی عقل یہ سوال کرتی ہے کہ ایک خُدا سے کیا مراد ہے۔ کس معنی میں ایک جنس نوع یا فرد کے لحاظ سے ذات یا صفات کے لحاظ سے۔ خُدا نہ فرد کے لحاظ سے نہ نوع و جنس کے لحاظ سے ایک کہلاتا ہے نہ صفات کے لحاظ سے ایک ہے۔ البتہ ذات کے لحاظ سے اُس کو واحد کہتے ہیں۔ میں جب مسیحی ہوا تھا تو میں ان مشکلات سے کچھ عرصہ تک کنارہ رہا۔ میں صرف یہ مانتا تھا کہ سیدنا مسیح میرا نجات دہندہ ہے۔ اُس کے کوڑے کھانے سے میں نے شفا پائی اُس کی موت سے مجھے زندگی اور گناہوں کی معافی ملی۔ چنانچہ مسیحی ہونے کے بعد جب میں بٹالہ بورڈنگ سکول میں فارسی مدرّس ہو کے گیا تو وہاں ایک مشہور مولوی رہتے تھے۔ جن کے نام سے آپ بخوبی واقف ہونگے۔ یعنی مولوی محمد حسین صاحب میرے رشتہ داروں نے اُن کو لکھا کہ ہمارا لڑکا مسیحی ہو کر بٹالہ گیا ہے۔ اس کو کسی طرح محمدی بنانا چاہیے۔ مجھے بھی رشتہ داروں نے لکھا کہ مولوی صاحب موصوف کی خدمت میں حاضر ہو کر محمدی دین کے بارہ میں جو شکوک ہوں حل کر لینا۔ چنانچہ میں مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ معمولی گفتگو کے بعد مولوی صاحب نے یہ سوال کیا کہ بھلا عیسائیوں کی تثلیث کیسے تمہاری سمجھ میں آ گئی۔ کہ تم عیسائی ہو گئے۔ میں نے عرض کی کہ تثلیث تو درکنار مجھے کبھی توحید بھی سمجھ میں نہیں آئی بیشک سادہ طور پر کہتے چلے آئے ہیں کہ خُدا ایک ہے لیکن اس کا مطلب کبھی سمجھ میں نہیں آیا آپ مہربانی کر کے توحید سمجھا دیجئے پھر تثلیث کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ خُدا کی ذات واحد ہے اور ذات کے بارہ میں محمدی عالموں میں دو قسم کی رائے ہیں۔

اول۔ یہ کہ ذات مجموعہ صفات ہے۔

دوم۔ یہ کہ ذات جامع صفات ہے۔ اور اُس کی ذات میں دو طرح کی صفات ہیں۔ صفات عینی جو اُس کی ذات سے الگ نہیں ہو سکتی اور نہ ذات اُن کے بغیر ہو سکتی ہے۔ دوم۔ صفات غیر عینی جو کبھی ذات سے علیٰحدہ ہو سکتی ہیں۔ میں نے ادب سے عرض کی کہ مولوی صاحب اگر ذات مجموعہ صفات ہے۔ تو کثرت فی الوحدت لازم آتی ہے۔ پھر اگر کسی نے تثلیث فی الوحدت مان لی تو کیا مضائقہ۔ اگر دوسری تعریف کو مانیں کہ ذات میں صفات عینی ہوتی ہیں جو ذات سے کبھی علیٰحدہ نہیں ہو سکتی تب بھی کثرت فی الوحدت پائی جائیگی۔ دونوں تعریفیں کثرت فی الوحدت کو ظاہر کرتی ہیں۔ اگر عیسائی تثلیث فی الوحدت مان لیں تو کیا ہرج ہے۔ مجھے اُن کی تقریر سے بہت فائدہ ہوا۔ جو مسئلہ ایسا دقیق اور بھید معلوم ہوتا تھا اور صرف مسیحیوں کی خصوصیت سمجھا جاتا تھا اب ایک تو اس کے سمجھنے میں مدد ملی۔ دوم تسلی ہوئی کہ یہ مشکل نہ صرف مسیحیوں کی ہے بلکہ محمدی صاحبان بھی اس مشکل سے نہیں بچے

پس وہ مسئلہ توحید جو ایسا سادہ جس کی تعلیم توریت انجیل وقرآن میں پائی جاتی ہے عقل وفلسفہ کی مدد سے ایسا پیچیدہ ہو گیا ہے۔ مقدس اتھاناسیس کا عقیدہ جو غالباً ساتویں صدی کا ہے انہیں عقلی مشکلات اور بدعتوں کی تردید میں بتدریج تیار ہوا تاکہ لوگ عقلی مشکلات اور بدعتوں میں الجھ نہ جائیں۔

پس اگر میں یا کوئی شخص محمدی دین سے اسلئے کنارہ کرے کہ اُس میں اس کثرت کے مسائل اور ایسی پیچیدگیاں ایمان، توحید، اصحاب وغیرہ کے بارہ میں پائی جاتی ہیں تو میں اس امر کو تبدیلی مذہب کی کافی دلیل نہ گردانونگا۔ جنہوں نے یہ دلیل گردانی مجھے اندیشہ ہے کہ وہ جلد گرداب مسائل میں پھنس کر نجات کے ملتجی ہونگے۔

پھر اگر کوئی پوچھے کہ مسیحی دین میں تو کفارہ اور عذاب ابدی کی تعلیم ہے جس کو عقل قبول نہیں کر سکتی۔ پھر تم نے کیسے مسیحی مذہب قبول کر لیا۔ میں اتنا جواب دونگا کہ محمدی ہونے کی حالت میں بھی میں کفارہ اور عذاب ابدی کا قائل تھا۔ یہ تعلیم میرے لئے نئی نہ تھی۔ ابراہیم کے فرزند کا ذبح عظیم کے عوض چھڑایا جانا، روہ یا قسم کے ٹوٹنے کے لئے فدیہ کا مقرر ہونا۔ پھر عید کی قربانی وغیرہ مجھے خوب یاد تھی۔ بعض شیعہ تو امام حسین کی شہادت کو بھی امت کے لئے کفارہ سمجھتے ہیں۔ اس لئے مجھے وہ کفارہ جو ان ادنی اور ناکامل فدیوں اور کفاروں سے کہیں اعلیٰ ہے باعث ٹھوکر معلوم نہ ہوا۔ عذاب ابدی کی تعلیم بھی بموجب قرآن میں مان چکا تھا۔ چنانچہ سورہ یونس کی ۵۳ آیت میں عذاب الخلد کا ذکر سورہ جن میں۔ نار جھنم خالدین فیھا ابدا۔ مجھے یاد تھا۔ محمد صاحب کی یہ تعریف کہ وہ دونو جہانوں کے لئے رحمت ہیں (رحمتہ العالمین) یاد تھی۔ اس سے عذاب ابدی کا ماننا میرے لئے مشکل نہ تھا۔ شکر ہے۔ کہ مجھے محمدی دین میں اس قسم کے امور سے ٹھوکر نہیں لگی۔ جیسے کہ ڈاکٹر صاحب کو ان امور سے لگی۔

اس کتاب تحفتہ الہند میں دو امور پر خاص زور دیا گیا تھا۔

اول۔ ہندو مذہب کے دیوتاؤں اور اُتاروں کی بد چلنی۔

دوم۔ محمدی تعلیم کا افضل واعلیٰ ہونا۔

میرے خیال میں یہ بہت عمدہ دلیل تھی۔ جب مذہب کا پیشوا نیک اور پاک نہ ہو تو وہ اپنے پیروؤں پر کیا تاثیر کریگا۔ جو شخص اعلیٰ وروحانی تعلیم اپنے مذہب میں نہ دکھا سکے اور نہ اپنے پیشواؤں کی نیکی تو وہ اپنے مذہب کی فضیلت کیسے دکھائیگا۔ مجھے ڈاکٹر صاحب سے یہ سن کر حیرانگی ہوئی۔ کہ ان کے مسیحی مذہب سے الگ رہنے کی ایک وجہ اس دین کی بہت اعلیٰ وروحانی تعلیم تھی بایں خیال کہ ہم انسان ضعیف البنیان اُس پر عمل نہیں کر سکتے۔ یعنی وہ تعلیم عموماً عملی نہیں۔ ایک بڑا حصہ انسان کا اُس پر چل نہیں سکتا۔ بمقابلہ اس کے چونکہ اسلام کی تعلیم عملی ہے۔ جس پر عام لوگ چل سکتے ہیں ان کے انگور اس[1] سے پک سکتے ہیں اس لئے اسلام کی تعلیم کو قبول کیا۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ منطق تو دھوکا معلوم ہوتا ہے۔ ذرا سنئے یہ تعلیم عام ہے۔ ہندو محمدی مسیحی سب متفق ہیں۔

راستی موجب رضائے خُداست

سچائی خیال قول فعل میں ضرور ہے۔ اب فرمایئے کون ایسی راستی پر چل رہا ہے۔ یہ اعلیٰ معیار ہے اس دنیا میں عموماً لوگ اس پورے طور سے عمل کر نہیں سکتے۔ پس اگر اس تعلیم کو ذرا ادنی کر دیں کہ کبھی کبھی حسب ضرورت جھوٹ بول لیا کریں تو یہ تعلیم زیادہ عملی اور عوام الناس کے مذاق کے مطابق ہو جائیگی ویسے ہی زناکاری گناہ ہے۔ شہوت کی نظر سے دیکھنا بھی ممنوع ہے اور عموماً لوگ اس پر چل نہیں سکتے اسلئے یہ اجازت دینا کہ کبھی

[1] ڈاکٹر صاحب نے یہ مثال دی تھی کہ اگرچہ بعض سیارے سورج سے بڑے ہیں لیکن ہمارے اُنگواُن سے نہیں پک سکتے اس لئے ہمارے انگوروں کے لئے ہمارا سورج مقصد بس ہے۔

کبھی زنا حسب ضرورت جائز ہے زیادہ عملی ہو جائیگا اور لوگ خوش ہو جائینگے۔ مخفی نہ رہے کہ شیطان ہمیشہ راستی میں کچھ غلطی ملا کر پیش کرتا ہے کیونکہ اگر محض جھوٹ پیش کرے تو لوگ اس کے کبھی تابع نہ ہونگے۔ لیکن جب راستی میں کچھ جھوٹ ملا دیتا ہے۔ تو بہت پیرو ہو جاتے ہیں۔ ایسی تعلیم نفسانی جسمانی دنیاوی ہو گی۔ مگر روحانی آسمانی تعلیم اعلیٰ سے اعلیٰ معیار ہمارے سامنے پیش کریگی تاکہ انسان جو ترقی کرنے والا انسان ہے وہ ہمیشہ کوشاں رہے کہ اعلیٰ اور افضل بنتا چلا جائے۔ اگر معیار ادنی ہو گا تو انسان کی ابدی ترقی کا مانع ہو گا۔ بہت لوگ اس تعلیم پر عمل کر کے آگے بڑھنے کی کوشش کرینگے۔ اسلئے کسی تعلیم کا اعلیٰ و افضل ہونا اُس کے اعلیٰ تصور سے پہچان سکتے ہیں۔ جتنا اعلیٰ تصور پیش کیا گیا اتنی اعلیٰ و قابل تعریف وہ تعلیم ہے گو ایک وقت لوگ اُس پر پورے طور سے عمل نہ کر سکیں لیکن وہ ہمیشہ پشت در پشت ساعی رہینگے۔ کہ اس معیار تک پہنچیں اور خُدا کے نزدیک یہ سچی کوشش نہایت مقبول و منظور ہے۔ یہی حال مسیحی تعلیم کا ہے کہ اس میں سب سے اعلیٰ اور افضل تصور اخلاق و روحانیت کا پیش کیا گیا ہے کیونکہ یہ مذہب عالمگیر ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے۔ نہ کہ قومی و مقامی مذہب ہے کہ اس میں قومی یا عارضی لحاظ سے ادنی تعلیم نے دخل پایا ہو نہ چند روزہ ہے بلکہ زمانہ کے آخر تک اُس نے نوع انسان کو ترقی و روحانیت کی طرف لے جانا ہے اس لئے وہ ترقی انسان کو محدود دائرہ میں بند نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے لئے وسیع میدان پیدا کرتا ہے۔ عملی تعلیم محمدی کی ایک مثال بھی ڈاکٹر صاحب نے دی کہ "مسیحی دین میں صرف ایک بیوی کرنے کی اجازت ہے۔ محمدی دین میں آدمی چار تک بیویاں کر سکتا ہے۔ اس لئے یہ محمدی قانون زیادہ عملی اور ترجیح کے لائق ہے چونکہ مسیحیوں میں ایک بیوی کی تاکید ہے۔ اسلئے عورتوں میں بدی یا زیادہ خاوند کرنے بدعادت پڑ گئی ہے۔

بریں عقل و ہمت بباید گریست

ایسا دم بھرنے والے اپنے عالموں کی تعلیم اور اپنی مذہبی کتاب سے بالکل ناآشنا معلوم ہوتے ہیں مسٹر امیر علی جیسے لائق فائق شخص تو اپنی کتاب میں یوں کہتے ہیں "نہایت قابل ملامت غلطی جو مسیحی مصنفوں نے کی ہے وہ یہ ہے کہ اُنہوں نے سمجھ لیا کہ محمد صاحب نے کثرت ازدواج کو اختیار کیا اور جائز ٹھہرایا۔ یہ اُن کا غلط عقیدہ ہے چنانچہ سورہ نسا کی ۲۷ آیت کو اپنی رائے کی تائید میں پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمدی دین میں ایک ہی بیوی کی اجازت ہے اور جو اجازت چار بیویوں کے بارہ میں معلوم ہوتی ہے وہ اصل میں از قسم نہی ہے" اور سر سید احمد خاں مرحوم بھی یہی رائے رکھتے تھے کہ چونکہ عدل کی شرط ہے اور عدل کثرت ازدواج میں رہ نہیں سکتا اس لئے ایک سے زیادہ بیوی جائز نہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب بھی اپنے ایک مضمون میں یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ رواج کثرت ازدواج بالکل موقوف ہو جائیگا۔ میری اپنی رائے بھی یہی ہے کہ محمد صاحب نے زیادہ عورتیں کرنے کی اجازت نہیں دی اور جو اجازت ہے وہ از قسم منع ہے۔

لیکن بالفرض چار بیویاں اور لاتعداد لونڈیاں رکھنی جائز بھی ہوں اور لوگ رکھتے بھی ہوں تو کیا اس سے زناکاری بند ہو گئی۔ ہر گز نہیں اسی شہر میں نہ معلوم کئی بدکار عورتیں موجود ہونگی یہی حال باقی تعلیم کا ہے۔ یہ مذہب بدلنے کے لئے کافی نہیں۔ اگر کوئی شخص اس خیال سے مذہب بدلے اور اعلیٰ روحانی معیار کو چھوڑ کر ادنے کی طرف عود کرے تو وہ دھوکا کھاتا ہے۔ شکر ہے کہ میں نے ان اسباب سے مذہب نہیں بدلا۔

(۵۔) جب میں اپنے گاؤں سے انگریزی تعلیم کی تحصیل کے لئے لدھیانہ گیا۔ وہاں پر مذہب کا بڑا چرچا تھا۔ مسیحی مناد محمدی و آریا مناد بڑی سرگرمی سے وعظ کرتے تھے۔ بحث مباحثہ ہوتے شعیہ و سنی کے اختلاف اور مسیحی دین کی تعلیم سے پہلے پہل وہاں واقفیت ہوئی چنانچہ بائبل مقدس کا ایک نسخہ اتفاق سے ہاتھ لگ گیا۔ وہاں ایک الہ دیا جلد ساز تھا جس کو مذہبی مباحثہ کا بڑا شوق تھا۔ اور پرچہ منشور محمدی ان کے پاس آیا کرتا تھا۔ یہاں پہلی دفعہ تشویش پیدا ہوئی۔ کہ جب حقیقی دین کے ماننے پر نجات دارین موقوف ہے تو اس کی تلاش فوراً کرنی چاہیے چنانچہ قرآن اور بائبل کو بالمقابل رکھ کر

دونوں کا مطالعہ شروع کیا۔ بتدریج یہ مشاہدہ ہوا کہ انسان گنہگار ہے گناہ کے ساتھ جنگ کر کے اُس پر غالب آنا ہے اور تجربہ اس جنگ میں یہ ہوا کہ اکثر گناہ غالب رہتا ہے۔ بدھ نے یہ تجربہ کیا دوسرے لوگوں نے یہ تجربہ کیا کہ گناہ پر غالب آنا کیسا مشکل ہے۔ اور بلا اس غلبہ اور گناہوں کی معافی کے خُدا کے سامنے سرخرو نہیں ہو سکتا۔ اب اس لڑائی میں کونسا مذہب میری مدد کرتا ہے "کونسا سورج میرے انگوروں کو پکاتا ہے" کونسا پیشوا مجھے گناہوں سے بچانے اور نجات ابدی تک پہنچانے کا وعدہ کرتا ہے۔ یہ سوال میرے دل میں بار بار آیا۔ اور اس کے حل کرنے میں قرآن نے مجھے بہت مدد دی۔ چنانچہ قرآن کا سیدنا مسیح کی نسبت گواہی دینا اُس کی اعجازی پیدائش اُس کا مردوں کو جلانا اُس کا اکیلا بے گناہ ہونا۔ اُس کا زندہ آسمان پر موجود ہونا۔ اس کا دوبارہ آنا اُس کا کلمتہ اللہ اور روح اللہ ہونا۔ ان ساری صفات کا ایک شخص میں جمع ہو جانا۔ اُس کو سب سے اعلیٰ و افضل ٹھہراتا ہے۔ اس تعلیم قرآن نے مجھے سیدنا مسیح کی طرف زیادہ رجوع کیا۔ اور اُس کے لئے میں نہایت شکر گزار ہوں۔

انجیل کو جب میں نے شروع کیا تو پہلے ہی سیدنا مسیح کے نام کی معنی و تعریف جو فرشتے نے بتائی تھی معلوم ہوئی کہ وہ "وہ اپنے لوگوں کو گناہ سے بچائیگا"۔ آگے بڑھ کر اُس کی یہ آواز کان میں آئی کہ میں "اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لوں بلکہ خدمت کروں اور اپنی جان بہتیروں کے لئے فدیہ میں دوں" اُس نے یہ وعدہ کیا کہ روح القدس کو بھیجدونگا جو تم کو ساری سچائی کی راہ میں چلائیگا۔ اُس نے محبت کی اعلیٰ شرع کو پیش کیا۔ خود انکاری اور محبت کا اعلیٰ نمونہ دکھایا اُس نے کہا "تم میں سے کون مجھ پر گناہ ثابت کر سکتا ہے" اُس نے دعویٰ کیا کہ "قیامت اور زندگی میں ہوں جو مجھ پر ایمان لائے اگرچہ وہ مر گیا ہو۔ تو بھی زندہ رہے گا اور جو کوئی جیتا ہے اور مجھ پر ایمان لاتا ہے کبھی نہ مریگا"۔ (اس کی طرف مولانا گرامی صاحب نے اپنی نظم میں اشارہ کیا ہے۔ یاد رکھئے کہ یہ مسیح کا قول اپنے بارہ میں ہے نہ قرآن کی کوئی اہمیت محمد صاحب کے بارہ میں) اُس نے یہ بھی کہا کہ "جہاں کا نور میں ہوں جو میری پیروی کرتا ہے وہ اندھیرے میں نہ چلیگا بلکہ زندگی کا نور پائیگا (شائد اسی بناء پر محمد صاحب کے نور ہونے کا مسئلہ قائم ہوا) اُس نے یہ بھی فرمایا۔ کہ "آسمان و زمین کا سارا اختیار مجھے دیا گیا ہے اور میں زمانے کے تمام ہونے تک ہر روز تمہارے ساتھ ہوں" اُس کی نسبت اُس کے حواریوں نے یہ کہا کہ آسمان کے تلے زمین پر کوئی دوسرا نام نہیں دیا گیا جس سے نجات ہو"۔

یہ دعویٰ اُس کی پیشینگوئی کی تکمیل سے صادق و راست ٹھہرے چنانچہ جس نے یہ دعویٰ کئے تھے اُس نے یہ بھی خبر دی کہ میں مر کر تیسرے دن جی اٹھونگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اُس نے اپنے جی اٹھنے کا کافی ثبوت اپنے شاگردوں کو دیا۔ وہ چالیس روز کے عرصہ تک شاگردوں کو دکھائی دیتا رہا۔ اُن سے گفتگو کرتا رہا اُن کو تعلیم دیتا رہا۔ اُن کے مجمعوں میں حاضر ہوتا رہا۔ اور چالیسویں دن اُن کے سامنے اُن کو برکت دیتا ہوا آسمان کو صعود کر گیا ہے۔ اس کا مختصر ذکر مقدس پولوس نے یوں کیا ہے کہ "مسیح کتاب مقدس کے بموجب ہمارے گناہوں کے لئے موا اور دفن ہوا اور تیسرے دن کتاب مقدس کے بموجب جی اٹھا اور کیفا کو اور اُس کے بعد اُن بارہ کو دکھائی دیا۔ پھر پانچ سو بھائیوں سے زیادہ کو ایک ساتھ دکھائی دیا۔ جن میں سے اکثر اب تک موجود ہیں اور بعض سو گئے۔ پھر یعقوب کو دکھائی دیا پھر سارے رسولوں کو۔۔۔ یہاں مقدس پولوس ایک دوسرا ثبوت پیش کرتا ہے کہ نہ صرف مسیح اپنی پیشینگوئیوں کے مطابق جی اٹھا۔ بلکہ کتاب مقدس میں پہلے سے بعض نبیوں نے مسیح کے جی اٹھنے کی پیشینگوئی کی تھی۔

پھر مسیح کی یہ پیشینگوئی ہے کہ "دیکھو جس کا میرے باپ نے وعدہ کیا ہے۔ اُس کو تم پر نازل کرونگا۔۔۔ اور جب تک عالم بالا پر سے تم کو قوت کا لباس نہ ملے اس شہر میں ٹھیرے رہو" چنانچہ صعود کے بعد دسویں روز یہ پنتیکوست کی عید کے دن روح القدس شاگردوں پر نازل ہوا اور اُن کو وہ قوت بخشی کہ حاکموں اور بادشاہوں کے روبرو اور دنیا کی حدوں تک اُس کے گواہ ٹھیرے۔

پھر اُس کی پیشینگوئی یروشلیم کی بربادی کے بارہ میں اس کے صعود سے تقریباً چالیس سال بعد ایسے طور سے پوری ہوئی۔ کہ آج تک سب اس کے گواہ ہیں۔ پس جس نے ایسے دعوے کئے جس کی پیشینگوئیاں ایسی راست ٹھیریں کیوں انسان اس کی آواز کا شنوانہ ہو۔ جب وہ کہتا ہے "تم جو تھکے اور بڑے بوجھ سے دبے ہوئے ہو میرے پاس آؤ کہ میں تمہیں آرام دونگا"۔ میری جان نے جو گناہوں سے تھکی ماندی تھی اور اس جنگ میں زخم کھا چکی تھی فوراً اس دعوت کو قبول کیا۔

بعض لوگ جو یہ آواز اٹھاتے ہیں۔ کہ یہ کتابیں منسوخ یا محرف ہو چکی ہیں میں نے اس کی چنداں پرواہ نہ کی خاص کر اس وجہ سے کہ گو آیات قرآنی کے بارہ میں یہ مسئلہ ہے کہ بعض آیات ناسخ منسوخ ہیں لیکن قرآن کا دعویٰ کتب سماوی کے بارہ میں کہیں نہیں۔ کہ وہ منسوخ ہو گئی ہیں۔ تحریف کے بارہ میں مجھے یہ تسلی تھی۔ کہ محمد صاحب کے زمانہ میں ہزاروں مسیحی محمدی ہو گئے اور محمدیوں کا دعویٰ ہے کہ اُنہوں نے اپنی کتاب میں محمد صاحب کی خبر پائی۔ پس جب وہ لوگ محمد صاحب کے پاس آئے ہونگے تو ضرور وہ غیر محرف کتابیں بھی ساتھ لائے ہونگے جن میں محمد صاحب کی خبر ہو گی۔ اب وہ کتابیں وہ انجیلیں کہاں ہیں اگر یہ دعویٰ درست ہوتا تو وہ کتابیں سینکڑوں محمدیوں کے پاس موجود ہوتیں۔ کیونکہ اس وقت سے لے کر آج تک محمدی دین اور حکومت اُن ممالک میں رائج ہے کسی نے وہ کتابیں ان سے چھین نہ لی ہونگی۔ لیکن آج تک اس قسم کی ایک کتاب بھی کسی محمدی کے پاس نہیں نکلی برنباس کی انجیل کا ذکر کر کے اپنے دل کو بہت طفل تسلیاں دیں لیکن اُس سے کیا بنتا ہے۔

اس لئے میں نے بعد غور و فکر و دعا ستمبر ۱۸۸۷ء کو بپتسمہ پا کر نجات ابدی حاصل کیا اور اب یہی دعا آپ کے لئے ہے کہ آپ بھی اُس صراط مستقیم کو حاصل کریں۔ جس کے لئے آپ دعا کیا کرتے ہیں۔ اور اس کو قبول کر کے جو راہ اور حق اور زندگی ہے "حیات ابدی حاصل کریں۔

چھٹا باب

وعظ

دوسری ستمبر کو ڈاکٹر نندی صاحب کے ہاں کھانا تھا۔ شب باشی کے لئے مسٹر تاراچند نے انتظام کیا۔ صبح اٹھ کر کپتان پریم سنگھ صاحب سے ملاقات کی۔ یہ شخص بھی پنجابی ہیں بڑے خلیق اور ملنسار باوجود ریاست میں رہنے اور فوجی عہدہ دار ہونے کے پنجابی پگڑی نہیں چھوڑی۔ اپنا گھر بنایا ہے انگریزی طور وطریقہ کو اختیار کیا ہے بچوں کی خورش پوسش تعلیم سب انگریزی ہے۔ آزاد منش اور وسیع خیال شخص ہے۔ تعصب ذرا نہیں رکھتے مسیحیوں کی دوستی ومحبت سے خاص حظ حاصل کرتے ہیں۔ یہ سردار عطر سنگھ صاحب رائے بھدوڑیا کے رشتہ دار ہیں۔ سردار عطر سنگھ صاحب لدھیانہ میں سکونت رکھتے تھے۔ تعلیم کے بڑے حامی اور طالب علموں کے بڑے خیر خواہ تھے۔ ان کے فائدے کے لئے ایک چھوٹا سا کتب خانہ بھی کھول رکھا تھا۔ جس میں ہر طرح کے انگریزی اور اُردو اخبار آتے تھے اور میں بھی ایام طالب علمی میں وہاں جا کر اخبار پڑھا کرتا تھا اور سردار صاحب کی نصیحت سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ مرحوم ڈاکٹر لائٹنر صاحب نے ولایت سے آکر ۱۸۸۴ء میں انہیں کوٹھی پر ایک عمدہ لکچر دیا تھا۔ اُن پرُانے تعلقات کے باعث کپتان صاحب کی ملاقات نے ایک عجیب لطف پیدا کر دیا۔

کپتان صاحب اگرچہ اب عرصہ سے حیدرآباد میں رہتے ہیں۔ لیکن گفتگو میں اُنہوں نے اس شعر کی تصدیق کی۔

حب وطن از ملک سلیماں خوشتر
خار وطن از سنبل وریحاں خوشتر
یوسف کہ در مصر بادشاہی میکرد
میگفت گدا بودن کنعان خوشتر

اُس روز شام کو واپس مشن ہوس کو آیا اور رات کو صبح کے وعظ کے لئے تیاری کی۔ اتوار کے روز گرجا میں اردو نماز ہوئی اور عشائے ربانی عمل میں آئی۔ اس وقت وعظ میں عشائے ربانی کے چار ناموں سے چار خاص نصیحتیں عشائے ربانی کی حقیقت اور ضرورت کے بارہ میں پیش کیں۔ قدیم نام عشائے ربانی کا یوخرست ہے۔ جس کے معنی شکر گذاری ہیں۔ شاید نام کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے خُداوند نے روٹی شکر کر کے توڑی اور پیالہ پر بھی شکر کیا۔ شکر گزاری کی بنیاد یادگاری ہے اگر کوئی بات یاد نہ ہو اس کے لئے شکر گزار نہیں ہو سکتے۔ اس رسم میں اول تو مسیح کی موت کی یادگار ہے اور جو فائدے اس کی موت سے ملتے اُن کی یادگار ہے اور اس موت کو مسیح کی آمد تک یاد دلاتے رہنا ہے مسیح کی موت خُدا کی محبت پر دلالت کرتی ہے اس لئے ہم خُدا کی اس بڑی محبت کے لئے شکر گزار ہیں کہ خُدا نے جہان کو ایسا پیار کیا۔ کہ اُس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخشدیا تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔ نیز مسیح کی محبت کی یادگار ہے جس نے خوشی سے اپنی جان ہمارے لئے دی۔ اچھا گڈریا بھیڑوں کے لئے اپنی جان دیتا ہے۔ ابن آدم اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ خدمت کرے اور اپنی جان بہتیروں کے لئے فدیہ میں دے۔ ہم نے اس سے محبت کو جانا کہ اُس نے ہمارے واسطے جان دیدی۔

موت گناہ کو یاد دلاتی ہے کیونکہ موت گناہ کی مزدوری ہے اس لئے مسیح کی موت میں اس بات کی یادگاری ہے کہ خُدا نے ہمارے گناہ مسیح کی خاطر سے معاف کردے اور ہم کو شیطان کی غلامی سے چھڑا کر اپنے بیٹے بیٹیاں بنالیا۔ پس جب ہم مسیح کی موت کو یاد کرتے ہیں تو ہم خُدا کے شکر گزار ہونے اور اپنے گناہوں سے نفرت کرنے لگتے ہیں کیونکہ ہمارے ہی گناہوں نے مسیح کو صلیب پر چڑھایا۔ ہم نے ہی اس کے ہاتھ پاؤں اور پسلی کو چھیدا اس رسم میں ہم روٹی اور مے کو خُدا کے سامنے پیش کرتے ہیں یعنی اُن چیزوں کو جو ہماری محنتوں کے پھل ہماری کھیتی کی پیداوار اور ہمارے بدنوں کی خوراک ہے۔ ہم اُن چیزوں کو معہ اپنی محنت کے پھل اپنی آمدنی اور اپنے بدنوں کو خُدا کی نذر کرتے ہیں کہ خُدا اُن پر برکت دے۔ یہ رسم روحانی اور دنیاوی برکتوں کے لئے شکر گزاری ہے جو لوگ شکر گزار ہیں وہ اس عبادت میں شریک ہونے کے لائق ہیں۔

دوسرا نام ہے رفاقت اقدس یا پاک شراکت۔ یعنی یہ رسم یادگار ہے خُدا اور انسان کے اتحاد اور انسانوں کے باہمی اتحاد کی۔ وہی ہماری صلح ہے جس نے دو کو ایک کیا اور اس دیوار کو جو درمیان تھی۔ ڈھادیا۔۔۔۔ اور صلیب کے سبب سے دونو کو ایک تن بنا کر خُدا سے ملائے "(افسیوں ۲: ۱۴، ۱۶)۔

کتاب بنام "بارہ رسولوں کی تعلیم" میں یہ عمدہ تمثیل دی گئی ہے۔ کہ روٹی جو خُداوند کے سامنے پیش کی جاتی ہے وہ آٹے سے بنی ہے اور آٹا دانوں سے یہ دانے الگ الگ تھے وہ آپس میں اتحاد پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ یہی ہمارا حال تھا ہم دانوں کے کی طرح ایک دوسرے الگ اور منتشر تھے۔ لیکن مسیح کی صلیب کے ذریعے ہم کوٹے گئے اور اُس کے خون میں گوندھے گئے اور ایک روٹی یعنی ایک بدن بنایا گیا۔ اب ہم روٹی چڑھانے سے اپنی رفاقت کو جو خُدا کے ساتھ اور باہمی ہے ظاہر کرتے ہیں۔

تیسرا نام ہے عشائے ربانی۔ بمعنی شام کا کھانا۔ ہمارے مولا نے جمعرات کے روز شام کے وقت یہ آخری کھانا اپنے شاگردوں کے ساتھ کھایا تھا۔ اس لئے یہ عشائے ربانی کہلاتا ہے۔ یعنی خُداوند کا شام کا کھانا یہ شام کا کھانا خُداوند کی اُس تمثیل کو یاد لاتا ہے جو لوقا ۱۴: ۱۶ سے ۲۴ تک میں بیان ہوئی ہے۔ کہ ایک شخص نے شام کو بڑا کھانا تیار کر کے بہتوں کو بلایا۔ مبارک ہیں وہ جو اُس میں شریک ہوتے ہیں۔ توریت شریف میں بھی اس قسم کی ضیافت کا ذکر آتا ہے۔ سلامتی اور شکر گزاری کے ذبیحوں کے واسطے ہدایت کے ذبیحے کے ساتھ فطیری روغنی کلیجے اور فطیری چپاتیاں تیل میں چپڑی ہوئی اور تیل میں پکے ہوئے میدے کے کلچوں کے ساتھ گذرانے اور خُداوند کے سامنے گزارنے کے بعد وہ خُداوند کے حضور کھائے یہ خُداوند کا دستر خوان تھا اور خُداوند کو جو کچھ دیا جاتا ہے والٹ کر اپنے بندوں کو ساتھ کھلاتا اور پلاتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ نجس آدمی یہ گوشت نہیں کھا سکتا اور خُداوند کی ضیافت میں شریک نہیں ہو سکتا (احبار ۷: ۱۱ سے ۲۱ تک) ویسے ہی یہ ضیافت خُداوند کی طرف سے دی جاتی ہے اور وہی اُس میں شریک ہو سکتے ہیں جن کو خُداوند کے خون نے پاک کیا ہے ورنہ وہ مکروہ ہے نہ صرف مکروہ بلکہ ہماری سزا کا باعث ہے۔ جیسے مقدس پولوس کہتا ہے "جو کوئی نامناسب طور سے یہ روٹی کھائے یا خُداوند کا پیالہ پیئے تو وہ خُداوند کے بدن اور لہو کا گنہگار ہوگا۔ پس آدمی پہلے آپ کو جانچے اور یوں اُس روٹی میں سے کھائے اور اس پیالہ میں سے پیئے کیونکہ جو مناسب طور سے کھاتا اور پیتا ہے سو خُداوند کے بدن کا لحاظ نہ کر کے اپنی سزا کھاتا اور پیتا ہے "(۱ کرنتھیوں ۱۱: ۲۷)۔

چوتھا نام مسہ تھا۔ جو آج تک رومی کلیسیا میں مشہور ہے۔ اس کے معنی ہیں رخصت کرنا یعنی جب عشائے ربانی کی رسم شروع ہوئی تو غیر مسیحی اور دیگر شریک نہ ہوتے رخصت کئے جاتے۔ یہ رسم مسیحیوں اور غیر مسیحیوں کے درمیان امتیاز کا نشان ہے پس جو لوگ اس رسم میں شریک ہوتے ہیں وہ اپنے چال چلن کے ذریعے سے ظاہر کرتے ہیں کہ نہ شریک ہونے والوں سے متفرق ہیں۔

دوسرے روز قدرے بارش ہو رہی تھی۔ اس روز ایک مشہور عہدہ دار حیدر آباد کا جنازہ نکلا۔ یہ شخص بلحاظ عہد کے عمادِ جنگ کہلاتا تھا بہت مشہور اور مدبر شخص تھا۔ اور ملکی فریق میں سے تھے۔ یہ فریق اس بار پر زور دیتا ہے کہ حیدر آباد میں جتنے اعلیٰ عہدے ہوں وہ ملکیوں یعنی وہاں کے باشندوں کو ملنے چاہئیں باہر کے لوگوں کو ملنے نہ چاہیے۔ ان کی رائے میں یورپین اور مدارسی لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ خاص بندش ہندوستانیوں کے لئے پیش کرتے ہیں کہ اُن کو اعلیٰ عہدے نہ ملنے چاہئیں۔ اُنہوں نے اپنے ایک بھتیجے نظام الدین صاحب کو ایک عہدے کے لئے نامزد کیا تھا۔ لیکن بندگان عالی سے ایک غیر ملکی کے نام حکم آیا اور وہ مقرر ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ عماد جنگ بہادر کو بستر بیماری پر یہ سخت صدمہ پہنچا۔ جس کی وہ برداشت نہ کر سکے اور جان بحق تسلیم ہوئے۔ میں بھی بارش برستے میں اُن کے مکان پر گیا۔ عزیز واقربا دوستوں لواحقوں کا جمگھٹا لگا ہوا تھا۔ بڑی عزت و توقیر کے ساتھ ان کے جنازہ کو ان کے خاص قبرستان میں لیگئے۔ بعضوں کو غم اور بعضو کو خوشی ہو گئی۔ انسان کیا ہے پل بھر میں روتا پل بھر میں ہنستا ہے۔ دنیا بھی عجیب ہے کہیں نوحہ زاری۔ کہیں خوشی و خرمی کل ہم ایک جنازہ کا مشادہ کر رہے تھے۔ دنیا کی بے ثباتی اور فنا کا نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے تھا۔ آج ہم ایک شادی کے جلسہ میں شریک ہوتے ہیں۔ تلگو لوگوں کی شادی کا مشاہدہ پہلی دفعہ کیا۔ عورتیں یہاں ننگے سر رہتی ہیں۔ اور گرجا میں بھی ننگے سر آتی ہیں۔ البتہ مشن سکولوں اور تہذیب نے بعضی عورتوں اور لڑکیوں کے سر پر سایہ ڈال رکھا ہے ورنہ ننگے سر رہنا فخر ہے۔ ہماری طرف عورت کا ننگے سر ہونا بدنامی اور رنڈآپی کا نشان ہے۔ لیکن ان لوگوں میں سر ڈھانپنا عورتوں کے لئے معیوب ہے شادی انگریزی گرجا میں ہوئی چھلے کے ذریعے شادی نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک قسم کا ہار گلے میں تھا۔ چنٹیا کے نزدیک اُس پر ہاتھ رکھا جاتا ہے۔ جلسہ شادی میتھوڈسٹ گرلز اسکول میں ہوا لڑکیوں نے جاپانی گیت بہت عمدہ طور سے بڑے انداز سے گایا۔ دلہا دلہن خوش و خرم حاضرین سے ملاقات کر کے اپنے عشرت کدہ میں چلے گئے۔ ہم بھی اپنے کمرہ میں آجے بزا اور رات کو سو کر گزار دیا۔ دوسرے روز شام کو مس قرینلیوس کے ہاں دعائیہ جلسہ تھا۔ وہاں پادری گولڈ اسمتھ صاحب اور دو چار گھرانے سے باہر آئے تھے۔ یہ خاندان مسیحی کام میں بڑا سرگرم ہے گو چرچ آف انگلینڈ کے ممبر نہیں۔ لیکن ہر مشن میں مدد دینے کو تیار ہیں۔

ساتواں باب

پیشینگوئیاں

یہاں شہر میں ایک محمدی عثمان شریف نامی رہتے ہیں۔ان کو مذہبی مباحثوں کا شوق معلوم ہوتا ہے شہر میں جہاں پادری گولڈ اسمتھ صاحب منادی کیا کرتے ہیں وہاں یہ بھی آن کر کچھ چوں چاں کیا کرتے ہیں مجھے اجنبی دیکھ کر مجھ سے بھی چھیڑ چھاڑ کی اور مجھے ترغیب دینے لگے کہ ان کے ساتھ تحریری مباحثہ کروں۔ میں نے ایسے مباحثہ سے عذر کیا انہوں نے زور دیا آخر کار میں نے اتنا قبول کیا کہ وہ کوئی سا مضمون مقرر کر لیں اس پر چند شخصوں کے سامنے سوال وجواب ہو جائیں۔اُنہوں نے بھی اتفاق کیا۔اُن کی طرف سے ایک چھوٹا دو ورقہ رسالہ مسیحی مذہب کے خلاف شائع ہوا تھا اُس کو اُنہوں نے پیش کیا اور کہا کہ اس مضمون پر گفتگو ہو۔اس رسالہ کا نام "رسالت محمدیہ"۔اس کے پہلے حصے میں تو یہ ذکر ہے کہ توریت مقدس میں بعض انبیاء کو زانی (پیدائش ۱۹: ۳۳، ۳۴) اور ڈاکو (خروج ۱۱: ۲) قرار دیا ہے۔ بعض کو جھوٹا (پیدائش ۲۶: ۷) اور دغاباز (پیدائش ۲۹: ۲۵) وغیرہ دوسرے حصہ میں ذکر ہے کہ "اگر عیسائی تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتار کر چشم انصاف سے دیکھیں تو موجودہ انجیل میں باوجود بہت کچھ تبدیل کر دئے جانے کے آپ کی نسبت (یعنی محمد صاحب کی نسبت) بہت سی پیشینگوئیاں پائینگے۔ منجملہ ان کے صرف دو نقل کی جاتی ہیں۔ چنانچہ یوحنا ۱: ۲۱، ۱۶: ۱۲ کا حوالہ دیا گیا ہے کہ ان میں محمد صاحب کی طرف اشارہ ہے۔اس لئے یہ قرار پایا کہ ان پیشینگوئیوں کے متعلق گفتگو اور بحث ہو۔ طرفین کی رضامندی سے ۹ ستمبر کو صبح وقت مقرر ہوا۔

چنانچہ وقت مقرر آپہنچا اور پادری گولڈ اسمتھ صاحب بھی جا موجود ہوئے۔ عثمان شریف بھی آگئے البتہ اُن کے رفیقوں کے آنے میں کچھ دیر ہوئی۔ بہت لوگ جمع نہ تھے۔ لیکن مباحثہ شروع ہوا ملاطہ نامی بھی موجود تھے۔

میں نے مباحثہ کے شروع میں عرض کی کہ ایک ایک سوال پیش کیا جائے اس کا جواب دیا جائیگا۔ لیکن عثمان شریف نے اس پر اصرار کیا کہ سارے اعتراض اور سوال وہ ایک لخت پیش کرینگے اور مجھے سب کا اکٹھا جواب دینا ہوگا میں نے یہ بھی منظور کر لیا۔اُنہوں نے جو اعتراضات پیش کئے اُن کا خلاصہ ان کے دو کیا کہ سارے اعتراض اور سوال وہ یک لخت پیش کرینگے اور مجھے سب کا اکٹھا جواب دینا ہوگا میں نے یہ بھی منظور کر لیا۔اُنہوں نے جو اعتراضات پیش کئے اُنکا خلاصہ ان کے دو ورقی رسالہ میں یوں مندرج ہے۔

(۱۔) "یوحنا ۱ باب ۲۱۔ تب اُنہوں نے پوچھا تو اور کون ہے کیا تو الیاس ہے۔اُس نے کہا میں نہیں ہوں۔ پس یا تو وہ نبی ہے اُس نے جواب دیا نہیں۔ یہاں وہ نبی سے مراد سرور کائنات ہے کیونکہ حضرت مسیح کے بعد سوائے حضور انور کے کسی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ بعض انجیل کے مفسرین کا خیال ہے کہ پوچھنے والوں کی غلطی تھی"۔ کیا تم وہ نبی ہیں" کر کے نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ اُن کی ہر گز غلطی نہ تھی اُنہوں نے توریت مقدس میں دیکھ چکا تھا"[1]۔ کہ حضرت مسیح کے بعد ایک نبی مبعوث ہونگے۔ اسلئے اُنہوں نے اس طرح پوچھا۔ اگر اُن کی غلطی ہوتی تو یوحن[2] اس غلطی کو دور کر دیتے کیونکہ اس قسم کی غلطی یعنی اُن کے غلط اعتقاد کو درست کرنا اُن کا فرض تھا۔ بجائے درست کرنے کے خود یوحن نے اپنی زبان سے

---

[1] اس غلط اردو کے ہم ذمہ وار نہیں۔ان کی یہ عبارت من وعن نقل کر دی گئی ہے۔

[2] ان دونو فوٹ نوٹ کو آپ فوٹ نوٹ نمبر ا میں دیکھئے۔

فرمایا کہ "نہ میں وہ نبی ہوں" اس سے صاف شہادت صرف دریافت کرنے والوں کی نہیں بلکہ یوحن کی بھی پائی جاتی ہے۔ کہ حضرت مسیح کے بعد دنیا میں ایک نبی[1] مبعوث ہونے والے ہیں۔

(۲۔) یوحنا ۱۶ باب ۱۲ "میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ تمہیں کہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن وہ روح حق آئے تمہیں ساری سچائی کی راہ بتادے" یہ پیشینگوئی بھی حضور انور محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہے جس کو عیسائی روح القدس کی نسبت سمجھتے ہیں۔

"میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ تمہیں کہوں" اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مسیح نے جن جن باتوں کی تعلیم دی۔ ان کے علاوہ اور بہت سی نئی نئی باتوں کی تعلیم آپ کے بعد آنے والا دیگا"۔ اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے"۔ اس سے ظاہر ہے ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کے اور حضرت مسیح کے بعد آنے والے کے درمیان عرصہ دراز یعنی اس قدر عرصہ کہ جس میں ان باتوں کی برداشت کرنے کا مادہ لوگوں میں پیدا ہو جائے گزریگا۔ بخلاف اس کے حضرت مسیح کے تھوڑے ہی عرصہ بعد روح القدس آپ کے شاگردوں پر ظاہر ہوئی بہت سی نئی باتیں تو درکنار ایک بھی نئی بات کی تعلیم نہیں دی۔ اس لئے یہ پیشینگوئی روح القدس کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی۔ بہت سی نئی باتوں کا تعلیم دینا اور حضرت مسیح کے بعد عرصہ دراز کا گزر ہونا ہمارے نجات دہندہ محمد صاحب مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم میں پورا ہوا۔

جب عثمان شریف نے مفصلہ بالا بیان پیش کیا تو میں نے سلسلہ وار جواب دینا شروع کیا۔ یوحنا ۱۔ ۲۱ آیت کے متعلق اول تو یہ سوال کیا کہ آیا قرآن میں کبھی یہ پیشینگوئی اشارتاً یا صراحتاً محمد صاحب سے منسوب ہوئی ہے اگر ہوئی ہے تو اس کا بیان کریں۔

دوم۔ اس مقام میں کوئی پیشینگوئی کسی قسم کی نہیں۔ دو فریق کے سوال و جواب ہیں۔ ایک فریق کچھ سوال کرتا ہے دوسرا فریق یا نہیں جواب میں کہتا ہے۔

سوم۔ اس سوال و جواب میں کسی ایسے شخص کا ذکر نہیں جو مسیح کے بعد آنے والا ہو۔ بلکہ جو مسیح سے پیشتر آنے والا تھا۔ چنانچہ سوال و جواب کی ترتیب انجیل کے مطابق یوں ہے "یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلیم سے کاہن اور لیوی یہ پوچھنے کو اُس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے تو اُس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں اُنہوں نے اُس سے پوچھا۔ پھر اور کون ہے کیا تو ایلیاہ ہے اُس نے کہا نہیں۔ کیا تو وہ نبی ہے اُس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس اُنہوں نے اُس سے کہا پھر تو کون ہے تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے۔۔۔۔ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے"۔

اس ترتیب عبارت سے ظاہر ہے کہ جب یوحنا نے مسیح ہونے سے انکار کیا تو اُس سے سوال یہ نہیں کیا جاتا ہے تو مسیح کے بعد آنے والا نبی ہے یا نہیں بلکہ قدرتاً سوال یہ ہوگا کہ اگر تو مسیح نہیں تو اس سے پیشتر آنے والا نبی ہوگا۔ چنانچہ مسیح سے پیشتر ایلیاہ نبی کے آنے کی اُمید تھی۔ یہودی یہ دریافت کیا کرتے تھے۔ مثلاً مرقس ۹۔ ۱۱ میں مسیح کے شاگرد اس کا ذکر کرتے ہیں "انہوں نے اُس سے یہ پوچھا کہ فقیہ کیونکر کہتے ہیں کہ ایلیاہ کا پہلے آنا ضرور ہے۔ اُن کا یہ سوال ایک قدیم پیشینگوئی پر مبنی تھا۔ جو ملاکی ۴۔ ۵ مذکور ہے پس جب یوحنا نے کہا نہ تو میں مسیح ہوں اور نہ میں مسیح سے پیشتر آنے والا ایلیاہ ہوں تو دوسرا سوال یہ نہیں ہوگا کہ تو مسیح کے بعد آنے والا نبی ہے۔ کیونکہ نہ مسیح ابھی آیا ہے اور نہ اُس سے پیشتر آنے والا ایلیاہ ہے۔ تو کس طرح سے مسیح کے بعد آنے والا نبی کا ذکر ہو سکتا تھا۔ پس سوال یہ ہے کہ اگر تو مسیح نہیں اور نہ اُس سے پیشتر آنے والا ایلیاہ ہے۔ تو کیا تو وہ نبی ہے جو مسیح اور ایلیاہ سے پیشتر

[1]

آنے والا تھا۔اُن دنوں میں معلوم ہوتا ہے کہ یہودی ایلیاہ سے پیشتر آنے والا تھا۔اُن دنوں میں معلوم ہوتا ہے کہ یہودی ایلیاہ کے سوا ایک اور نبی کے بھی منتظر تھے جو مسیح سے پیتر آئیگا۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ متی ۱۶۔ ۱۳، ۱۴ آیات میں پیا جاتا ہے۔ جب مسیح قیصریہ فلپی کے علاقہ میں آیا تو اپنے شاگردوں سے یہ پوچھا کہ لوگ بن آدم کو کیا کہتے ہیں اُنہوں نے کہا بعض یوحنا بپتسمہ دینے والا کہتے ہیں۔ بعض ایلیاہ بعض یرمیاہ یا نبیوں میں سے کوئی۔

الغرض یہ صاف ظاہر ہے کہ یہاں مسیح کے بعد کسی شخص کا ذکر نہیں بلکہ اُس سے پیشتر آنے والوں کا ذکر ہے۔

اب رہا یوحنا ۱۶: ۱۲ کے متعلق میں اول اُن مقامات کا ذکر کرونگا جہاں اس روح حق کے آنے کا بیان ہے۔

"میں باپ سے درخواست کرونگا تو وہ تمہیں دوسرا وکیل بخشیگا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے یعنی حق کی روح جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اُسے دیکھتی اور نہ اُسے جانتی ہے تم اُسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتی اور تمہارے اندر رہیگی (یوحنا ۱۴: ۱۶، ۱۷)۔

"میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہے کر تم سے کہیں لیکن وکیل یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجیگا وہی تمہیں سب باتیں سکھائیگا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائیگا"۔ (یوحنا ۱۴: ۲۵، ۲۶)۔

"لیکن جب وہ وکیل آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجونگا یعنی حق کی روح جو باپ کی طرف سے نکلتی ہے تو وہ میری گواہی دیگی اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو۔ یوحنا ۱۵: ۲۶)۔

پھر یوحنا ۱۶: ۷ سے لے کر یوں ذکر آیا ہے"۔ لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور پرہیزگاری اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔ گناہ کے بارے میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ پرہیزگاری کے بارے میں اس لئے کہ میں پروردگار کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے۔ عدالت کے بارے میں اس لئے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے۔ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی روحِ حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ وہ میری بزرگی ظاہر کرے گا۔ اس لئے مجھے ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا۔ جو کچھ پروردگار کا ہے وہ سب میرا ہے۔ اس لئے میں نے کہا وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے اور تمہیں خبریں دے گا۔ (یوحنا ۱۶: ۷، ۱۴)۔

"دیکھو جس کا میرے باپ نے وعدہ کیا ہے میں اس کو تم پر نازل کرونگا لیکن جب تک عالم بالا پر سے تم کو قوت کا لباس نہ ملے اس شہر میں ٹھیرے رہو"۔ (لوقا ۲۴: ۴۹)۔

اب غور کیجئے کہ اس روح حق کی کن کن صفات کا ذکر ہوا ہے۔ آیا وہ صفات محمد صاحب پر صادق آسکتی ہیں یا نہیں۔

اول۔ یہ آنے والا روح حق کہلاتا ہے۔ کیا کبھی محمد صاحب نے اپنے تئیں روح حق بیان کیا یا قرآن میں یہ نام اُن کو دیا گیا؟

دوم۔ یہ روح حق مسیح کے نام سے آتا ہے۔ بلکہ مسیح باپ کی طرف سے اُس کو بھیجتا ہے۔ کیا محمد صاحب مسیح کے آنام سے آئے یا محمدی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مسیح نے باپ کی طرف سے محمد صاحب کو بھیجا ہے؟ کیونکہ اس کے مطابق اگر یہ روح حق محمد صاحب ہو تو وہ مسیح کا رسول ہو گا۔

سوم۔ یہ روح حق باپ کی طرف سے یا باپ سے نکلتا ہے یعنی الٰہی ذات رکھتا ہے۔ کیا محمد صاحب خُدا باپ سے یا اُس کی طرف سے نکلتا اور الٰہی ذات رکھتا ہے؟ ہر گز نہیں۔

چہارم۔ یہ روح حق مسیح کے شاگردوں کو وہ ساری باتیں یاد دلائیگا جو مسیح نے اُنہیں سکھائی تھیں۔ کہاں محمد صاحب نے وہ ساری باتیں مسیحیوں کو یاد دلائیں جو مسیح نے اپنے شاگردوں کو کہی تھیں اُن کا عشر عشیر بھی قرآن یا احادیث میں اس طور پر مذکور نہیں ہے۔

پنجم۔ یہ روح حق آکر حق کی پوری راہ دکھائیگی اور آئندہ کی خبریں دیگی وہ مسیح کا جلال ظاہر کریگی کیونکہ وہ سب کچھ مسیح سے حاصل کریگی محمد صاحب نے کہاں کامل راہ دکھائی بلکہ وہ تو اعلیٰ روحانی تعلیم سے ہٹا کر ابتدائی یہودی تعلیم کی طرف لے گئے۔ کونسی آئندہ کی خبریں دیں کہاں مسیح کا جلال ظاہر کیا بلکہ لاکھوں کروڑوں کو مسیح کی طرف ہٹادیا اور مسیح کے درجہ کو گھٹادیا۔ کہاں محمد صاحب مقر ہیں کہ میں نے ساری باتیں مسیح سے حاصل کی ہیں۔

ششم۔ اس روح کے بارہ میں یہ بھی مندرج ہے کہ وہ ہمیشہ تک شاگردوں کے ساتھ رہیگا۔

اب محمد صاحب اول تو تقریباً چھ سو برَس بعد آئے۔ ان کی نسبت یہ کیسے صادق آسکتا ہے۔ کہ وہ مسیح کے وقت سے ابد تک مسیح کے شاگردوں کے ساتھ رہیگا۔

دوم۔ کہاں مسیحی لوگ محمد صاحب کو مانتے ہیں یا محمد صاحب مسیحیوں کی مدد کرتا یا اُن کے ساتھ رہتا ہے۔

ہفتم۔ پھر لکھا ہے کہ اس روح حق کو دنیا نہ دیکھتی نہ جانتی ہے۔ کیا محمد صاحب کو دنیا نے کبھی نہیں دیکھا اور نہیں جانا؟

ہشتم۔ لکھا ہے کہ اس روح حق کو مسیح کے شاگرد جانتے ہیں۔ تم اُسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتی ہے۔ کیا محمد صاحب کی نسبت یہ کہہ سکتے ہیں۔ ہر گز نہیں۔

نہم۔ اس روح حق کی یہ صفت بھی مسیح نے بیان کی کہ "وہ تمہارے اندر ہیگی" محمد صاحب کہاں مسیحیوں کے اندر رہتے ہیں۔

دہم۔ اس روح کی آمدہ عرصہ بھی مسیح نے محدود کر دیا چنانچہ شاگردوں کو تاکید کی کہ اس کے آنے تک یروشلیم میں ٹھیرے رہو۔ اس سے صاف قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے کہ یہ پیشینگوئی ہر گز ہر گز محمد صاحب پر صادق نہیں آتی جو تقریباً چھ سو برَس بعد برپا ہوئے اور وہ بھی عرب میں نہ یروشلیم میں۔ لیکن اعمال کی کتاب کے پڑھنے سے اس روح کے نزول و آمد کا سارا حال کھل جاتا ہے۔

الغرض جب یہ بیان ہو چکا عثمان شریف سے کچھ جواب نہ آیا۔ تو ملاطہ وغیرہ نے ایک اور دن مقرر کیا اور کہا کہ وہ خود میرے ساتھ مباحثہ کرینگے کیونکہ اس جوان کو بہت واقفیت نہیں ہے میں نے منظور کر لیا جلسہ برخاست ہوا۔ اس کے لئے خُدا کا شکر کیا۔

آٹھواں باب

پُرانے اُستاد سے ملاقات

یہاں مولانا عبدالقادر گرامی صاحب برسوں سے مسکن پذیر تھے۔ان کا وطن تو پنجاب تھا۔لیکن اعلیٰ حضرت کی قدردانی اُن کو پنجاب سے کھینچ کر حیدرآباد لے گئی۔نواب صاحب کی طرف سے منصب مل گیا۔ریاست کی طرف سے شاعر مقرر ہوئے۔یہ صاحب لدھیانہ میں فارسی معلم تھے۔بندہ بھی ان دنوں میں لدھیانہ گورنمنٹ سکول میں تعلیم پاتا تھا۔وہاں شرف قدمبوسی حاصل ہوا تھا۔اوران کی شاگردی کا حق بھی ملا تھا۔علاوہ تعلیم فارسی کے آنجناب شعر بھی کہا کرتے تھے۔اس طبع موزون اور شعر خوانی کے باعث ہر دل عزیز تھے۔ہر مجلس میں یہ رنگ جماتے۔ہر محفل کو رونق دیتے تھے اُن دنوں میں سرسید حسین صاحب جگرنوای بورڈنگ ہاؤس کے سپرٹینڈنٹ تھے ان کی طبعیت بھی شعر واشعار کی طرف بڑی مائل تھی اور شاید اسی وجہ سے گرامی صاحب کے بڑے دوست تھے۔گرامی صاحب اکثر آپ کی ملاقات کو آتے ہیں۔چند طلبا بھی ہالہ کی طرح آپ کو آگھیرتے اور ہر ایک کی یہی التجا ہوتی کہ گرامی صاحب کچھ سنائے یہ بھی اپنے طبعزاد شعروں کے ذریعہ ہم کو ممنون اور محظوظ کرتے کبھی کبھی یہ بھی فرماتے کہ کسی خوبصورت شخص کو سامنے بٹھادو پھر جتنے شعر چاہو سن لو ان دنوں ایک طالب علم بہت جو خوبصورت جوان تھا اُس کو ہم سامنے لا بیٹھاتے رومی ٹوپی اُس کے سر پر رکھتے پھر تو گرامی صاحب کی طبع رسا جوش زن ہوتی اور پھول اور تمر برسانے لگ جاتی تھی۔

کیا ہی لطف کا زمانہ تھا۔جب یہ خبر لگی کہ گرامی صاحب حیدرآباد میں تشریف رکھتے ہیں پھر تو وہ قدیم سماں آنکھوں میں پھر گیا۔پرانے دن یاد آگئے۔اور جب ڈاکٹر نیشی کنٹھ کے لکچر کے وقت اُن کے شعر سے تو زیادہ شوق پیدا ہوا۔الغرض ایک شخص رہنما کو ساتھ لیا۔آپ کے مکان پر حاضر ہوئے۔اُنہوں نے بھی پہچان لیا۔ایک دوسرے کی ملاقات سے نہایت خوشی ہوئی۔پُرانی باتیں یاد آئیں پُرانے دوستوں کا حال پوچھا پاچھا۔پان گلوری کا مزا اڑایا۔چاے کہ پیالہ نوش کیا۔حبِ وطن از ملکِ سلیماں خوشتر کا چرچا ہوا۔آئندہ ملاقات کا وعدہ ہوا اور رخصت ہو کر بندہ اپنے مکان پر پہنچا۔شام کو جلسہ پرہیزگاری تھا اُس میں حاضر ہوا۔عد جلسہ ڈاکٹر نندی صاحب کے کھانا کھایا اور مسٹر تاراچند صاحب کے ہاں شب باشی کی اور صبح کو حاضری کھائی وعظ کو تیار کیا۔

دوسرے روز اتوار تھا۔صبح کو مشن ہاؤس میں وعظ کیا۔شام کو ایس پی۔جی کے گرجا میں وعظ کیا۔رات کو کثرت سے بارش ہوئی۔

نواں باب

عصمتِ انبیاء

۱۴ ستمبر بدھ کے روز مشن ہاؤس میں بہت محمدی صاحبان حاضر ہوئے۔ ملاطہ صاحب نے کہا تھا کہ وہ مجھ سے مباحثہ کرینگے۔ اور شرائط مباحثہ پہلے سے مقرر کی جائینگی۔ فریقین اُن شرائط کے پابند رہینگے مجھے بھی یہ منظور ہوا۔ چنانچہ جب وہ محمدی دوستوں کے ساتھ تشریف لائے تو اُنہوں نے چند تحریری شرائط پیش کیں وہ ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں۔

۱۔ گفتگو خلاف کتب الٰہی نہ ہو۔

۲۔ بلند آواز سے گفتگو نہ کریں جو خلاف قاعدہ ہو۔

۳۔ اثنائے مناظرہ میں قہقہ نہ مارنا۔

۴۔ مطلب سے گریز نہ کرنا۔ یعنی ایک مضمون کو چھوڑ کر بلاواسطہ یا باواسطہ دوسرے پر نہ جانا۔ باواسطہ سے یہ مراد ہے کہ نظیر و مثال نہ دینا جب تک مناظر مطلب نہ سمجھنے کا اظہار نہ کرے۔

۵۔ الفاظ غریبہ استعمال نہ کرنا جن کو مناظرین نہ سمجھتے ہوں۔

۶۔ حتی الامکان مطلب کو طول نہ دینا۔

۷۔ جب ایک شخص کلام کرتا ہو تو دوسرا خاموش رہے۔

۸۔ میر مجلس صاحب کو اختیار ہے کہ جب اثنائے گفتگو میں کوئی امر قاعدہ مقررہ کے خلاف دیکھیں تو وہ متکلم کو آگاہ کر دیں۔

۹۔ ضرورت کے وقت دلیل عقلی کو موقعہ دیا جائے۔

۱۰۔ تقریر میں جو الفاظ مشترکہ استعمال ہوں جن کے کئی ایک یا مختلف معنی ہو سکتے ہیں اُن میں سے ایک معنی کی تحقیق کی جائے تاکہ سلسلہ گفتگو برابر چلے۔

۱۱۔ ان قوانین میں فریقین کی رضامندی سے تبدیلی ہو سکتی ہے اور ان میں بڑھا گھٹا سکتے ہیں۔

۱۲۔ جس کتاب سے اظہار مطلب کیلئے دلیل پیش کی جائے تو وہ کتاب جھوٹ اور شکیہ الفاظ سے مبرا اور معرا ہو یعنی اگر کسی کتاب میں جھوٹ اور شکیہ الفاظ پائے جائیں۔ تو وہ صرف اُنہیں الفاظ میں کمزور ہو گی۔ اس سے باقی کتاب پر نقص نہ آئے گا۔

ملاطہ صاحب نے چند رسالے مسیحی دین کے خلاف لکھے تھے۔ اس مقررہ دن سے پیشتر میں نے ان کا مطالعہ کر لیا تھا تاکہ مجھے ان کے خیالات اور اعتراضات معلوم ہو جائیں۔ کیونکہ اُنہوں نے یہ بتانا نہیں چاہا تھا کہ کس مضمون پر بحث ہو گی ان رسالوں سے معلوم ہوا کہ صحت انجیل پر ان کے اعتراض تھے کئی یورپین مصنفوں کی کتابوں سے انہوں نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ انجیل محرف ہے اور بگڑ گئی ہے اسلئے قابل اعتبار نہیں۔ میں امید کرتا تھا کہ غالباً وہ اسی مضمون پر بحث کرینگے۔ جب اُنہوں نے آخری شرط مناظرہ پیش کی تو وہ اُس وقت صرف اتنی تھی "جس کتاب سے اظہار مطلب کے لئے دلیل پیش کی جائے تو یہ کتاب جھوٹ اور شکیہ الفاظ سے معرا اور مبرا ہو۔ اس کو دیکھتے ہی میں ان کا مطلب تاڑ گیا اور فوراً تشریحی جملہ پیش

کیا کہ بڑھایا جانے۔ چنانچہ کچھ بحث کے بعد یہ جملہ بڑھایا گیا۔ "یعنی اگر کسی کتاب میں جھوٹ اور مشکوک الفاظ پائے جائیں تو وہ صرف انہیں الفاظ میں کمزور ہو گی اس سے باقی کتاب پر نقص لازم نہ آئے گا۔

جب شرائط مناظرہ کا فیصلہ ہو چکا اور دو شخص ثالث مقرر ہوئے ایک تو محمدی صاحب اور ایک پادری گولڈ اسمتھ صاحب اور ملاطہ صاحب کو کہا کہ وہ اپنا سوال پیش کریں۔ تو اُنہوں نے عذر کیا اور کہا کہ ان کی بجائے ایک دوسرے شخص کو مباحثہ کے لئے منظور کریں کہ وہ خود دوسرے بدھ کو مباحثہ کرینگے۔ ان کا یوں پہلو تہی کرنا پسند تو نہیں آیا لیکن چونکہ اتنے لوگ جمع ہو چکے تھے۔ میں نے اُس دوسرے شخص سے گفتگو کرنا منظور کیا۔ یہ دوسرے شخص غلام حسین نامی ریاست حیدر آباد میں وکالت کرتے ہیں۔ بازار میں ایک دفعہ جب اُن سے گفتگو کا اتفاق ہوا تھا۔ تو اُنہوں نے لوط کے قصہ کو بیان کر کے یہ ظاہر کرنا چاہا کہ جس کتاب میں یہ قصہ ہو اور ایک نبی پر یہ الزام زنا کا لگایا گیا ہو وہ کتاب خُدا کی طرف سے نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ آج بھی جب اُن کو گفتگو کا موقع دیا گیا۔ تو اُنہوں نے یہ سوال کیا "کیا تمام پیغمبروں کو آپ حق سمجھتے ہیں"۔ میں نے یہی جواب دیا اس سوال میں دو لفظ مشترکہ ہیں۔

اول۔ لفظ "تمام" بلحاظ محمدیوں کے یہ لفظ محمد صاحب تک حاوی ہے اور بلحاظ مسیحیوں کے اس میں وہی انبیاء شامل ہیں جو بائبل میں انبیاء کہلاتے ہیں۔ اسلئے میں نے یہ دریافت کیا کہ تم اس لفظ کو محمدی معنی میں استعمال کرتے ہو یا مسیحی معنی میں۔ شیعہ صاحب نے کہا کہ جس معنی میں آپ اس لفظ کو لینا پسند کریں۔ میں نے جواب دیا کہ میں صرف اُن انبیاء کے بارہ میں جواب دہ ہوں جن کا ذکر بائبل میں آیا اور کسی کا ذمہ وار نہیں ہوں۔

دوسرا لفظ حق تھا۔ میں نے یہ کہا کہ لفظ حق تین معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

(۱۔) کسی کا حقیقتاً موجود ہونا۔ اس معنی میں شیطان بھی حق ہے کیونکہ وہ سچ مچ موجود ہے۔

(۲۔) اپنے پیغام پہنچانے میں امانتدار ہونا۔

(۳۔) سراسر اول سے تادم زیست راستی پر چلنا اور کسی قصور کا سرزد نہ ہونا۔

ان معنوں کے لحاظ سے پہلے معنی میں سارے نبیوں کو میں حق سمجھتا ہوں۔ کیونکہ وہ فی الحقیقت موجود تھے۔

دوسرے معنی میں بھی ان کو میں حق سمجھتا ہوں کیونکہ جو پیغام خُدا نے ان کے سپرد کیا اُس کو اُنہوں نے وفاداری سے خُدا کے بندوں کے پاس پہنچا دیا۔

تیسرے معنی میں سارے انبیاء کو میں حق نہیں سمجھتا صرف ایک ہی کو حق سمجھتا ہوں یعنی سیدنا مسیح اور خود خُدا اس معنی میں حق ہے کیونکہ صرف وہی سراسر پاک اور ہر گناہ سے مبرا اور منزہ ہیں۔

شیعہ صاحب۔ کیوں تم تیسرے معنی میں سارے انبیاء کو حق نہیں سمجھتے۔

جواب۔ کیونکہ اکثر ان نبیوں کے قصوروں اور غلطیوں کا ذکر آیا ہے۔ قرآن بھی اس پر اتفاق ظاہر کرتا ہے کہ آدم سے خطا ہوئی۔ ابراہیم، موسیٰ وغیرہ انبیاء سے خطائیں ہوئیں اور خُدا کی طرف سے اُن کو حکم ہوا کہ معافی مانگیں۔ بائبل میں بھی یہی ذکر ہے کہ سوائے مسیح کے اور کوئی خطا سے نہیں بچا۔

یہ سوال تو یہاں ختم ہو گیا۔ اب شیعہ صاحب نے اپنا خاص سوال پیش کیا جس کی تاک میں لگے تھے اور موقع نہ ملا تھا۔

شیعہ صاحب۔ کیا باپ بیٹی سے زنا کر سکتا ہے؟

جواب۔ لفظ کر سکتا ہے۔ مشترالمعنی ہے۔ مثلاً

۱۔ بلحاظ قدرت

۲۔ بلحاظ شرع

۳۔ بلحاظ رسم، یا

۴۔ بلحاظ غلطی کے کر سکتا ہے؟

پس آپ کس معنی میں پوچھتے ہیں۔ کہ باپ بیٹی سے زنا کر سکتا ہے۔

بلحاظ قدرت کے وہ کر سکتا ہے یعنی جسمانی طاقت اور قوائے فطری کے لحاظ سے وہ ایسا کام کرنے پر قادر ہے۔ یعنی وہ کر سکتا ہے۔

بلحاظ شروع کے وہ کر سکتا ہے۔ یعنی اگر کسی قوم کی شریعت میں بیٹی سے شادی کرنے کی اجازت ہو۔ تو وہ کر سکتا ہے۔

بلحاظ رسم کے کر سکتا ہے۔ اگر کسی قوم میں ایسی رسم پڑ گئی ہو۔ تو اس رسم کے زور پر آدمی ایسا کام کر سکتا ہے۔

پھر بلحاظ غلطی کے ایسا کام کر سکتا ہے۔

شیعہ صاحب۔ کیا باپ بیٹی سے غلطی سے زنا کر سکتا ہے۔

جواب۔ ہاں۔

شیعہ صاحب۔ غلطی سے کیا مراد ہے۔ کیوں غلطی سے زنا کر سکتا ہے؟

جواب۔ غلطی سے مراد یہ ہے کہ

۱۔ وہ نہ جانتا ہو کہ یہ میری لڑکی ہے۔

۲۔ وہ حواس میں نہ ہو۔ یا۔

۳۔ اُس نے کسی وجہ سے دھوکا کھایا ہو۔

پس ایسی حالت میں وہ معذور ہے۔ اگرچہ یہ فعل اس سے سرزد ہوا۔ لیکن پھر بھی وہ کسی قدر معذور ہے۔ ایسی غلطی نبیوں سے ہو سکتی ہے۔

شیعہ صاحب۔ حکم الٰہی کے خلاف کرنا بھی تو غلطی کرنا ہے۔

جواب۔ میں نے دوسرے معنی میں اس کا ذکر کر دیا کہ بلحاظ شروع سے گناہ کر سکتا ہے۔ اب ان تین پہلے معنوں کو چھوڑ کر چوتھے معنی پر گفتگو اور سوال ہے۔ اس لئے اب ان معنوں میں کو خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔

اس پر وہ صاحب بڑے طیش میں آ گئے۔ مباحثہ بھول گئے۔ شرائط مناظرہ کا پاس نہ رہا۔ ثالثوں کی آگاہی پر توجہ نہ کی۔ آخر ملاطہ اور مسٹر اختر وغیرہ نے مشکل سے اُن کو خاموش کرایا۔ یوں اس مباحثہ کا خاتمہ ہوا۔ بعد مباحثہ چند محمدیوں نے افسوس ظاہر کیا کہ کیوں ایسے شخصوں کے ساتھ گفتگو کر کے وقت ضائع کرتے ہو۔ لیکن ہم نے خُدا کا شکر کیا کہ یہ سوال جو بار بار محمدی کرتے اور الزام لگاتے تھے۔ اب ایسی جرات نہ کرینگے۔ اور مباحثہ میں تحمل برداشت۔ بے تعصبی وغیرہ مسیحی سیرت کے ظاہر ہونے سے حاضرین پر اچھی تاثیر ہوتی ہے۔ جلسہ کے بعد ہم مسیحیوں نے مل کر ان سب کے لئے دعا کی۔

دسواں باب
تجسم

۱۵ ستمبر کو میرا دوسرا لکچر مشن ہاؤس کے میدان میں ہوا۔ ڈاکٹر نندی صاحب میر مجلس تھے۔ اکثر محمدی صاحبان حاضر تھے۔ مضمون لکچر کا یہ تھا "کلام مجسم ہوا"۔

لکچر

آج میں آپ کے سامنے مسیحی دین کے خاص مسئلہ کا ذکر کیا چاہتا ہوں جس کے بارہ میں بہت غلط فہمیاں لوگوں کے درمیان ہیں۔ لیکن وہ ایسا مسئلہ ہے جسے ہم دینداری کی جان انسانیت کا اعلیٰ مقصد اور کمال کہہ سکتے ہیں۔ یعنی خُدا کا جسم میں ظاہر ہونا جیسا لکھا ہے کہ "ابتدا میں کلام تھا کلام خُدا کے ساتھ تھا۔ کلام خُدا تھا۔۔۔۔۔اور کلام مجسم ہوا" (یوحنا ۱: ۱، ۱۴)۔

شروع ہی میں اس بات کو ظاہر کر دینا نہایت ضرور ہے۔ کہ خُدا کے تجسم سے کیا مراد ہے کیونکہ جب ایک دفعہ صاف طور پر تجسم کی تشریح ہو جائے تو ہم کل مضمون کو بخوبی سمجھ سکینگے۔

اب سنئے۔ تجسم سے مراد ہے کسی کا جسم میں ظاہر ہونا۔ خُدا کے تجسم سے مراد ہے خُدا کا جسم میں ظاہر ہونا۔ یاد رکھئے کہ کسی کا جسم میں ظاہر ہونا اور شے ہے کسی کا جسم بننا اور شے ہے۔ ان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ خُدا کی نسبت ہم نہیں کہتے کہ وہ جسم بن گیا۔ یہ تو ناممکن اور بالکل غلط ہے۔ یہ انجیل شریف کی تعلیم نہیں۔ بلکہ ہم مسیحی کتاب مقدس کے مطابق یہ کہتے ہیں کہ خُدا جسم میں ظاہر ہوا۔ الٰہی ذات مادی ذات میں تبدیل نہیں ہو گئی۔ لیکن الٰہی ذات مادی ذات میں یا مادی ذات کے ذریعہ گویا اُس کے پردے میں سے ظاہر ہوئی۔ اس کی مثال ہم خود ہیں۔ روح اور مادہ دو متفرق اشیا ہیں۔ روح مادہ نہیں ہو سکتی۔ اور مادہ روح نہیں ہو سکتا۔ لیکن روح مادہ میں ظاہر ہو سکتی ہے ہم انسانوں میں روح مجسم ہوا ہے یعنی مادی بدن میں روح کا ظہور ہوا ہے یا یہ کہو کہ روح کا تجسم ہوا ہے مادہ کے خواص ہم میں بحال رہتے ہیں اور روح کے خواص بھی باقی رہتے ہیں۔ مادی جسم کی زندگی خوراک پر مبنی ہے لیکن روح کی زندگی خوراک پر مبنی نہیں۔ جسم جگہ گھیرتا وزن رکھتا ہے وغیرہ۔ روح نہ جگہ گھیرتی نہ وزن رکھتی ہے (روح کی ایسی حالت کے باعث بعض عالموں نے ٹھوکر کھائی اور روح کا بالکل انکار کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے انسان کے رگ وریشہ کو چھان مارا ہے۔ لیکن روح کا پتہ نہیں ملا۔ اس لئے روح کوئی شے نہیں) پھر بھی روح جسم میں ظاہر ہے۔ اُس کے کام جسم کے ذریعے ظاہر ہوتے ہیں اور ہم روح اور بدن یا یہ کہو کہ روح کے تجسم کو مانتے ہیں۔ اس مضمون کی وضاحت کے لئے اس مثال کی تشریح ضرور تھی شاید اسی وجہ سے کسی نے کہا ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اپنے رب کو پہچانا (من وعرف نفسہ فقد عرف ربہ) اس مثال کے ذریعے آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہونگے۔ کہ ہم تجسم خُدا کو کس معنی میں لیتے ہیں۔

نوع انسان کی حس مذہبی کسی زمانہ میں اس کے بغیر نہیں رہی ہے مصریوں، کسدیوں، عبرانیوں، عربوں، ہندوؤں چینیوں وغیرہ تقریباً ساری قوموں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ خُدا کسی نہ کسی مقصد سے جسم میں ظاہر ہوا ہے۔ خواہ وہ حیوان کا جسم ہو یا انسان کا یا کوئی اور عنصری جسم کو انسان آنکھ سے دیکھ سکے۔ چونکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ اقوام مذکورہ بالا میں یہ خیال پایا جاتا تھا اور بعض میں اب تک پایا جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حس مذہبی کی تسلی

و تشفی اس طرح سے ہوتی ہے چونکہ حسِ مذہبی دوسری حسوں پر فوق رکھتی ہے اس لئے یہ مسئلہ دیگر مسائل پر فوق رکھتا ہے اور یہی حس ہم کو حیوانات سے ممیز کرتی ہے۔ پس جو موضوع اس حس مذہبی کا ہوگا وہ ہماری ہستی کا اعلیٰ مقصد بھی ہوگا۔ یہ تو قیاس چاہتا ہے۔

البتہ محمدی صاحبان اعتراض کرینگے کہ ہم اس مسئلہ کو نہیں مان سکتے کہ خُدا جسم میں ظاہر ہوا اب ذرا تحقیق کریں کہ آیا ان کا مذہب سچ مچ اس خیال تجسم کے خلاف ہے یا نہیں۔ جہاں تک مجھے علم ہے محمدی مذہب اس خیال کے خلاف نہیں ہے چنانچہ سورہ طٰہٰ (۲۰ سورہ) کے شروع ہی میں حضرت موسیٰ کے بیان میں یہ مذکور ہے کہ موسیٰ کو دور سے آگ دکھائی دی تو وہ اس کے نزدیک آگ لینے کے لئے گئے۔ جب نزدیک پہنچے تو یہ آواز آئی۔ یا موسیٰ انی انا ربک "اے موسیٰ ہم ہیں تمہارے پروردگار تو اپنی جوتیاں اتار ڈال"۔ اب خُدا نار یا شعلہ آتش میں ظاہر ہوا ہے۔ یعنی نار میں مجسم ہوا ہے۔ ویسے ہی محمدی احادیث میں جہاں آخرت میں خُدا کے دیدار کا ذکر آیا ہے۔ وہاں بھی یہی خیال پایا جاتا ہے کہ وہ پردہ نور میں یا نورانی صورت میں اپنے بندوں کو اپنا دیدار بخشتا ہے۔ پس خُدا جب ایک عنصر یعنی آتش میں اپنے تئیں ظاہر کر سکتا ہے اور اُس نے ظاہر کیا ہے تو دیگر عناصر یعنی باد۔ آب اور خاک میں بھی اپنے تئیں ظاہر کر سکتا ہے۔ یعنی بادی۔ آبی، خاکی صورت یا پردے میں اس کا ظہور ممکن ہو گیا۔

اب تو یہ ان کے لئے دلیل ہے جو اہل شرع اور خاص مخالف مسئلہ تجسم کے نظر آتے ہیں۔ صوفیہ کرام کا تو یہ خاص مسئلہ ہے۔ کہ خُدا انسان میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ جسم انسانی وہ ہیکل ہے جس میں خُدا رہتا ہے۔ یہ حقیقی مسجد اور خانہ خُدا ہے۔ اگرچہ خُدا کو ڈھونڈھنا چاہو تو اپنے اندر ڈھونڈھو ان کے خیال میں تو انسان نہ صرف مطہر روح ہے بلکہ مظہر خُدا ہے۔ یعنی جس کے ذریعے خُدا اپنے تئیں ظاہر کرتا ہے اور انجیل شریف میں بھی یہی مسئلہ ہے کہ کلمہ مجسم ہوا اور ہم نے اس کا جلال دیکھا۔۔۔۔۔۔ فضل اور راستی سے معمور۔

اب یہ سوال رہا کہ عقلی طور پر بھی اس مسئلہ کی تائید ہوتی ہے یا نہیں۔ میرے خیال میں عقل اس کی بڑی بھاری مدد ہے۔ ہماری ہستی کا قانون ہی یہ ہے کہ ہم خُدا کو مجسم مانیں ورنہ خُدا کا خیال بھی نہیں کر سکتے خُدا کا تصور کرنا ہی تجسم کی دلیل ہے جب ہم زبان سے یہ کلمہ ہی نکالتے ہیں کہ خُدا ہے۔ تو ہم خُدا کو مجسم بنا دیتے ہیں کیونکہ عقلی طور پر کسی چیز کا ہونا دلالت کرتا ہے مکان و زمان پر جہاں تک ہمارا تجربہ و مشاہدہ جاتا ہے۔ وہ مکان و زمان سے محدود ہے۔ مکان و زمان سے باہر ہم خیال کر ہی نہیں سکتے۔ اور کسی چیز کی ہستی کا خیال بلا مکان و زمان کے عقل میں گذر ہی نہیں سکتا۔ پس جب ہم نے یہ کہا کہ خُدا ہے تو ہم نے اُس کو مکان و زمان میں فرض کر لیا۔ تب اس کا خیال ہمارے ذہن میں آیا۔ یہی وجہ ہے کہ خُدا کا عرش معلیٰ پر ہونا مانا جاتا ہے گو وہ لامکان ہے و زمان کہلاتا ہے لیکن وہ ایک خاص مکان پر ساکن نظر آتا ہے۔ بلا تجسم خُدا کی ہستی کا خیال بھی ہم نہیں کر سکتے۔ اور یوں وہ اعتراض بھی رفع ہو جاتا ہے جو خُدا کے تجسم پر کیا جاتا ہے کہ تجسم ماننے سے خُدا محدود ہو جاتا ہے۔ یاد رکھئے خُدا اپنی ذات میں غیر محدود ہے۔ لیکن جب وہ انسان پر اپنے تئیں ظاہر کرتا یا انسان اُس کا تصور کیا چاہتا ہے تو محدود صورت ہی میں ہو سکتا ہے۔ خُدا کا مکاشفہ اور خُدا کا تصور ہمیشہ محدود ہی ہوگا۔ اس کے بغیر خُدا کا علم ناممکن ہے۔ ایک دوسری مثال سے میرا مطلب واضح ہوگا۔ ہم سب مانتے ہیں کہ خُدا ہر جگہ حاضر ہے اور یہ بھی مانتے ہیں کہ کلیتہً حاضر ہے کیونکہ خُدا کا جزاً حاضر ہونا اس کی شان کے خلاف ہے۔ جہاں وہ حاضر ہے کلیتاً حاضر ہے۔ خواہ کسی احاطہ یا مکان یا سوراخ کا خیال کر لو وہاں خُدا حاضر ہے اور کلیتاً حاضر ہے اگرچہ احاطہ محدود و مکان محدود ہے اور محدود جگہ میں خُدا کلیتاً حاضر ہے۔ پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ وہ دیگر مقامات میں بھی حاضر ہے اُس کا ایک جگہ یا ایک حالت میں کلیتاً حاضر ہونا باقی جہان میں کلیتاً حاضر ہونے کا نقیض نہیں اور نہ وہ محدود ہو جاتا ہے اگرچہ محدود جگہ میں وہ کلیتاً موجود مانا جاتا ہے۔

ایک دوسرا اعتراض بھی اس سے رفع ہو جاتا ہے۔ کہ خُدا کا مریم کے پیٹ میں آنا گویا اُس کو غلیظ کر دیتا ہے (نعوذ باللہ) اس جہاں میں غلاظت کثرت سے ہے تو بھی اس سے خُدا کی حضوری غلیظ نہیں ہو سکتی۔ آفتاب کی کرنیں گندی جگہ پر پڑنے سے گندہ نہیں ہو سکتی۔ ویسا ہی حضرت مریم کے شکم

میں خُدا کے جسم اختیار کرنے اس کو گندگی نہیں لگ سکتی۔ اور یہ خیال کہ بچہ پیٹ میں حیض و نفاس کھاتا ہے۔ آج کل طبابت سے غلط ثابت ہوا ہے بچہ حیض و نفاس نہیں کھاتا۔

اس سلسلہ میں ہم یہاں تک پہنچ گئے کہ خُدا کے تجسم کا خیال نوع انسان کی مذہبی حس کے خلاف نہیں۔ محمدی مذہب بھی اس کے خلاف نہیں۔ عقل مدہے۔ انسان کی ہستی کا یہ قانون ہے کہ خُدا کو کسی نہ کسی محدود صورت میں مانیں۔

مخفی نہ رہے کہ خُدا کا تجسم جزوی ہو سکتا ہے۔ عارضی ہو سکتا ہے کلی اور دائمی ہو سکتا ہے۔

جزوی کی مثال۔ خُدا کی صفات کا ظہور اشیا میں ہوتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے "ہر پتے میں ہے پتا اُس کا۔ وہ عناصر میں ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے آتش۔ باد وغیرہ میں۔ لیکن چونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اور خُدا کی صورت پر خلق ہوا ہے۔ اور خُدا کی صورت پر بنایا جانا ہی اُس کو غالباً اشرف المخلوقات ٹھیراتا ہے۔ اس لئے اگر خُدا کا کامل مکاشفہ ہو سکتا ہے تو انسان میں ہو سکتا ہے اور خُدا کی صورت پر بننے ہی میں یہ ایما معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسے مقصد کے لئے بنایا گیا کہ خُدا اُس میں بسے۔ آدم گویا قالب ہوا اور خُدا جان ہو۔

شاید یہی وجہ تھی کہ خُدا جب اپنے خاص رسولوں پر ظاہر ہوا تو اکثر شکل انسان ہی میں ظاہر ہوا مثلاً حضرت ابراہیم پر جس کا ذکر پیدائش کی کتاب کے اٹھارہویں باب میں ہوا ہے۔ دانی ایل نبی کے رویت میں وہ انسانی شکل میں نظر آتا ہے۔ چنانچہ دانی ایل کہتا ہے۔ کہ "میں یہاں تک دیکھتا رہا کہ کرسیاں رکھی گئیں اور قدیم الایام بیٹھ گیا۔ اُس کا لباس برف سا سفید تھا اور اس کے سر کے بال صاف ستھرے اُون کی مانند۔۔۔۔۔ میں نے رات کی رویتوں کے وسیلے دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص آدمزاد کی مانند آسمان کے بادلوں کے ساتھ آیا۔۔۔۔۔" دانی ایل ۷ باب یہ عظیم الشان رویتیں تھیں اور عارضی تھیں۔ خُدا نے اپنے تئیں ظاہر کرنے کے لئے انسانی صورت کو عارضی طور پر اختیار کیا تھا۔ کیونکہ انسان خُدا کو انسانی خیالات و تصورات کے ذریعے ہی سمجھ سکتا ہے۔ اس کے بغیر خُدا کا علم ہو نہیں سکتا۔ پس جتنا زیادہ اعلیٰ انسان ہو گا اتنا زیادہ اُس میں خُدا کا ظہور ہو سکتا ہے۔ اسلئے اکمل اور افضل مکاشفہ خُدا کے لئے اکمل و افضل شخص چاہیے۔ یعنی جو گناہ سے بالکل مبرا ہو۔ اور اعلیٰ اخلاق سے مزین۔ دینداری میں کامل اگر خُدا ایسی انسانیت کو اپنے ظہور یا تجسم کے لئے قبول کرے۔ تو سب سے اعلیٰ اور افضل و مکاشفہ ہو گا۔

ہم مسیحی اس امر کے مدعی ہیں کہ سیدنا مسیح سارے انسانوں سے اکمل و افضل ہیں۔ وہ ہمیشہ خُدا کی مرضی کو پورا کرتے اور گناہ سے ہمیشہ مبرا رہے۔ وہ جامع صفات حسنہ تھے۔ اسلئے ان کی انسانیت کو خُدا نے اپنے ظہور کے لئے قبول کیا۔ خُدا جسم میں ظاہر ہوا۔ اسے مقدس پولوس دینداری کا بڑا بھید کہتا ہے۔ کہ وہ "جسم میں ظاہر ہوا روح میں راست ٹھہرایا گیا۔ فرشتوں کو دکھائی دیا قوموں میں اس کی منادی ہوئی۔ جہان میں اُس پر ایمان لائے جلال میں اٹھایا گیا" (۱ تیمتھیس ۳:۱۶)۔

یاد رکھئے کہ یہ صرف ہمارا ہی دعویٰ نہیں اور نہ صرف حواریوں کا قول ہے۔ ہم ان کی مانند نہیں کہ پیر نہ پرد مرید پراند۔

بعض فرقوں نے بعض انسانوں کو جنہوں نے کبھی یہ دعویٰ ہی نہیں کیا کہ ہم میں الوہیت بستی ہے اور ہماری انسانیت کے ذریعے وہ الوہیت ظاہر ہو رہی ہے۔ ان سے یہ تجسم الٰہی منسوب کیا اور ان کے نام میں بعض حروف کو نقاب ٹھہرایا اور اس پر خوف رقص و وجد کیا۔

احد درمیم احمد گشتہ ظاہر

زاحمد تا احد ایک میم فرق است

جہانے اندراں یک میم غرق است

بلکہ سیدنا مسیح نے اس امر کو واضح کر دیا کہ جو ازل سے دنیا کی پیدائش سے پیشتر تھا۔اب جسم میں ظاہر ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ "تمہارا باپ ابراہام مشتاق تھا کہ میرا دن دیکھے۔ چنانچہ اس نے دیکھا اور خوش ہوا۔ پھر یہودیوں نے اُس سے کہا کہ تیری عمر تو پچاس سال کی بھی نہیں کیا تو نے ابراہام کو دیکھا یسوع نے کہا پیشتر اس سے کہ ابراہام ہو میں ہوں "(یوحنا۸:۵۶ وغیرہ)۔

پھر وہ فرماتے ہیں "اے باپ اپنے ساتھ اس جلال سے جلالی بنا لے جو میں دنیا کی پیدائش سے پیشتر تیرے ساتھ رکھتا تھا(یوحنا۱۷ باب)۔

"میں آسمان سے اس لئے نہیں اُترا کہ اپنی مرضی کے موافق عمل کروں بلکہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی کے مطابق "(یوحنا۶:۳۸)۔

سیدنا مسیح کے ایک حواری فلپس نامی نے اُس سے کہا" اے خُداوند باپ کو ہمیں دکھا دے۔یہی ہمیں کافی ہے سیدنا مسیح نے اُس سے کہا۔۔۔۔۔۔۔جس نے مجھے دیکھا ہے اُس نے باپ کو دیکھا ہے۔ تو کیونکر کہتا ہے کہ باپ کو ہمیں دکھا کیا تو یقین نہیں کرتا۔ کہ میں باپ میں ہوں اور باپ مجھ میں۔ یہ باتیں جو میں تجھ سے کہتا ہوں اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ لیکن باپ مجھ میں رہ کر اپنے کام کرتا ہے میرا یقین کرو کہ میں باپ میں ہوں اور باپ مجھ میں "(یوحنا۱۴۔۸ سے)۔

اب اے صاحبان یہ ثابت ہو گیا ہے کہ مذہبی حس اس کی مشتاق عقل اس کی مدد۔ قرآن اس کی طرف اشارہ کرتا ہے خُدا کے ہاتھ وغیرہ کا ذکر کر کے بہتوں کے تعصب کو رفع کرنا چاہتا ہے۔ بعض محمدی فرقے اس کے گرویدہ ہیں کہ خُدا جسم میں ظاہر ہوا۔ مسیحی گروہ اس کا مدعی ہے۔ مسیح کے حواری اس کا چرچا کرتے چلے گئے۔ خود مسیح نے یہی دعویٰ کیا۔ اور اپنے دعویٰ کو اپنے کاموں سے ثابت کر دکھایا پھر عذر کی گنجائش کہاں رہی۔ اے صاحبان اس کو بدل و جان قبول کیجئے۔ جو عمانوایل (یعنی خُدا ہمارے ساتھ) یا خُدائے مجسم ہے۔

یہاں تک تو دلائل کا ذکر ہوا۔اب میں مختصراً تجسم کے فوائد۔ بیان کیا چاہتا ہوں۔

(۱۔)ایک بڑا فائدہ تو اس سے یہ ہوا کہ خُدا کا کامل مکاشفہ جو اس جہاں میں مل سکتا ہے انسان کو دیا گیا بمقابلہ جزوی مکاشفوں کے جو قدیم بزرگوں کو عطا ہوئے تھے۔ چنانچہ یوں لکھا ہے کہ "اگلے زمانہ میں خُدا نے نبیوں کی معرفت باپ دادوں سے حصہ بحصہ اور طرح بہ طرح کلام کر کے اس زمانہ کے آخر میں ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا جسے اُس نے ساری چیزوں کا وارث ٹھیرایا اور جس کے وسیلے سے اُس نے عالم پیدا کئے۔ وہ اُس کے جلال کی رونق اور اسکی ذات کا نقش ہو کر سب چیزوں کو اپنی قدرت کے کلام سے سنبھالتا ہے"۔(عبرانیوں ۱:۱ سے۔۔۔)۔

(۲۔)دوسرا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ آسمان و زمین کا اتحاد اسی تجسم کے ذریعہ سے ہوا۔ آسمان و زمین اور خُدا و انسان میں آدم کے گناہ کے باعث جو جدائی ہو گئی تھی۔اب ان کے درمیان اتحاد ممکن ہو گیا۔ کیونکہ اس نے جو آسمانی تھا اور اُسنے جو اللہ تھا۔ زمینی کی صورت پکڑی اور انسان بن گیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "وہ اندیکھے خُدا کی صورت اور تمام مخلوقات سے پہلے مولود ہے۔۔۔۔ باپ کو یہ پسند آیا کہ سارا کمال اُس میں پایا جائے اور سب چیزوں کا اس کے وسیلے سے اپنے ساتھ میل کر لے خواہ وہ زمین کی ہوں خواہ وہ آسمان کی "(کلسیوں ۱:۱۵،۱۹،۲۰)۔

(۳۔) تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ انسانوں میں جو باہمی نفاق وجدائی ہے اور اتفاق پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کا علاج یہ تجسم ہی ہے۔ کہ اس میں نہ صرف اللہ اور انسان کا اتحاد ہوا بلکہ انسان کا باہمی اتحاد بھی ممکن ہو گیا۔ جتنا زیادہ اس تجسم پر لوگ غور کرینگے اور اس میں شریک ہوتے جائینگے اتنا زیادہ اتحاد واتفاق ان میں بڑھتا جائیگا۔ انسان کے اتفاق کی بنیاد اگر کچھ ہو سکتی ہے۔ تو یہی ہے اگرچہ مسیحی قومیں اب تک اس درجہ پر نہیں پہنچیں۔ لیکن ان کے پاس علاج موجود ہے۔ جب ان کی نظر کھلیگی ان میں وہ اعلیٰ اتفاق واتحاد بڑھتا جائیگا۔ اب بھی اتنا تو نظر آتا ہے کہ جنگ سے حتے الاامکان پرہیز کیا جاتا ہے۔ زر کثیر خرچ کیا جاتا ہے کہ انسان میں صلح قائم رکھی جائے۔ چنانچہ پولوس رسول کہتا ہے "تم جو پہلے دور تھے اب مسیح یسوع میں مسیح کے خون کے سبب سے نزدیک ہو گئے ہو کیونکہ وہی ہماری صلح ہے جس نے دو کو ایک کر لیا اور جدائی کی دیوار کو جو بیچ میں تھی ڈھا دیا۔ چنانچہ اس نے اپنے جسم کے ذریعے سے دشمنی۔۔۔۔۔ موقوف کر دی تا کہ صلح کرا کے دونو سے اپنے آپ میں ایک نیا انسان پیدا کرے اور صلیب پر دشمنی کو مٹا کر اُس کے سبب سے دونو کو ایک تن بنا کر خُدا سے ملائے اور اُس نے آکر تمہیں جو دور تھے اور انہیں جو نزدیک صلح کی خوشخبری دی (افسیوں ۱: ۱۳ سے ۱۷)۔

(۴۔) یہ تجسم گناہ کا علاج ہے۔ خُدا کا ہمارے اندر بسنا ایک ایسی قوت کا ہمارے اندر پیدا ہونا ہے جو گناہ کو ہمارے اندر سے نکال سکتی ہے۔ جب تک اس الٰہی قدرت اور اس الٰہی تجسم کا پر تو ہمارے اندر نہ ہو ہم اکیلے شیطان کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتے۔ یہ بیرونی جنگ نہیں کہ خُدا باہر کھڑا رہ کر ہمارے لئے لڑے بلکہ اندرونی جنگ ہے۔ اور اس میں فتحیابی کی یہی صورت ہے۔ کہ وہ ہمارے اندر بسے یہ لکھا ہے کہ تم یسوع مسیح کا جامہ پہن لو۔ (رومیوں ۱۳: ۱۴)۔

نئی انسانیت کو پہن لو۔ (افسیوں ۴: ۲۴)۔

یہ تجسم وہ اوزار ہے جس کی نسبت مقدس پولوس نے فرمایا۔ "کہ تم خُدا کے سارے ہتیار باندھ لو تا کہ تم ابلیس کے منصوبوں کے مقابل میں قائم رہ سکو۔ (افسیوں ۶: ۱۱)۔

(۵۔) تجسم خُدا ہر طرح کی نیکی کا باعث اور چشمہ ہے۔ چنانچہ وہ جو خُدائے مجسم ہے یہ فرماتا ہے "تم بھی اگر مجھ میں قائم نہ رہو تو پھل نہیں لا سکتے میں انگور کی بیل ہوں تم ڈالیاں ہوں جو مجھ میں قائم رہتا ہے اور میں اُس میں وہی بہت پھل لاتا ہے۔ کیونکہ مجھ سے جدا ہو کر تم کچھ نہیں کر سکتے" (یوحنا ۱۵: ۴، ۵)۔

پطرس رسول نے فرمایا کہ تم اُس خرابی سے چھوٹ کر جو دنیا میں بُری خواہش کے سبب سے ہے اُن کے وسیلے سے ذات الٰہی میں شریک ہو جاؤ۔ پس اسی باعث تم اپنی طرف سے کمال کوشش کر کے اپنے ایمان پر نیکی نیکی پر معرفت معرفت پر پرہیز گاری پرہیز گاری پر۔ صبر صبر۔ دینداری دینداری پر۔ برادرانہ الفت برادرانہ الفت پر محبت بڑھاتے جاؤ۔ (۲ پطرس ۱: ۵ سے)۔

(۶۔) یہ تجسم ہم کو بھی اُس صورت پر بحال کرتا ہے جس پر انسان پہلے بنایا گیا تھا۔ یہ نئی انسانیت کا گویا بیج ہے۔ جب ہم اس مجسم خُدا پر ایمان لاتے ہیں۔ تو نئی انسانیت کا ایک بیج ہم میں بویا جاتا ہے اور وہ نشو ونما پاتا ہے "جب ہم سب کے بے نقاب چہروں پر خُداوند کے جلال کا عکس اس طرح پڑتا جاتا ہے جس طرح آئینے میں تو اُس خُداوند کے وسیلے سے جو روح ہے ہماری وہی جلالی صورت درجہ بدرجہ بنتی جاتی ہے" (۲ کرنتھیوں ۳: ۱۸)۔

(۷۔) دیدار الٰہی جو ہر ایماندار کی اُمید ہے وہ صرف انہیں کو حاصل ہو سکتا ہے جو اس نئی انسانیت کو حاصل کر کے اُسی مجسم خُدا کی تاثیر سے خُدا کی صورت پر بنتے جاتے ہیں۔ چنانچہ یوحنا رسول نے فرمایا "عزیزو! ہم اس وقت پروردگار کے فرزند ہیں اور ابھی تک یہ ظاہر نہیں ہوا کہ ہم کیا کچھ ہوں

گے۔اتنا جانتے ہیں کہ جب وہ ظاہر ہونگے تو ہم بھی ان کی مانند ہوں گے کیونکہ ان کو ویسا ہی دیکھیں گے جیسا وہ ہیں۔اور جو کوئی ان سے یہ امید رکھتا ہے اپنے آپ کو ویسا ہی پاک کرتا ہے جیسے وہ پاک ہیں۔(ایوحنا۳:۲سے)۔

پس اے صاحبان یہ میرا پیغام ہے جس کو یوحنا رسول کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں "اُس زندگی کے کلام کی بابت جو ابتدا سے تھا اور جسے ہم نے سنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ غور سے دیکھا اور اپنے ہاتھوں سے چھوا۔یہ زندگی ظاہر ہوئی اور ہم نے اُسے دیکھا اور اُس کی گواہی دیتے ہیں۔اور اُسی سے ہمیشہ کی زندگی کی خبر دیتے ہیں۔جو باپ کے ساتھ تھی اور ہم پر ظاہر ہوئی۔

گیارھواں باب

فلک نما

ہندوستان میں مغلوں کی یادگار اگرچہ اور شے نہ ہو تو ان کی عمارتیں چار دانگ عالم میں مشہور ہیں۔ آگرہ کا تاج محل، دلی کی مسجد، اورنگ آباد میں اورنگ زیب کا مقبرہ وغیرہ۔

شد آں مرغ کو خایہ زریں نہاد

حیدرآباد مغلیہ سلطنت کا بقیہ ہے۔ عمارت کے لحاظ سے بھی مغلوں کا نام روشن کر رہا ہے۔ یوں تو سارا شہر ہی عجوبہ ہے۔ چاروں طرف سنگین فصیل سے گھرا ہے جس کی لمبائی تین میل اور چوڑائی دو میل ہے۔ اس کی بنیاد محمد قلی شاہ گولکنڈہ نے ڈالی تھی۔ پھر حضور نظام کا محل شاہی، جامع مسجد، مکہ مسجد جس میں شاہی قبرستان بھی ہے۔ مسجد افضل گنج، چار مینار، ان میں سے ہر مینار ڈھائی سو فٹ بلند ہے جسے بانی شہر نے وسط شہر میں بنوایا تھا۔ رنگ محل جسے کرنل کرک پیٹرک نے اپنی ہندوستانی بیوی کے واسطے تعمر کروایا۔ اور فلکِ نما جو شہر کے متصل ریاست کے وزیر اعظم نے اپنی رہائش کے لئے بنوایا تھا۔ یہ محل ایک پہاڑی کی چوٹی پر واقعہ ہے۔ دامن کوہ میں اصطبل اور باغیچہ ہے۔ محل کے اندر ولایتی سامان کثرت سے پایا جاتا ہے تصویریں نہایت دلکش اور قیمتی، شیشے قد آدم کے برابر، قیمتی قالین ملک ملک کے فرش بچھے ہوئے ہیں۔ محل کو دیکھ کر عقل حیران ہوتی تھی۔ نواب اقبال الدولہ وزیر صاحب کو بہت دیر تک اس محل کا لطف اٹھانا نصیب نہیں ہوا کہ ملک الموت نے پیغام اجل آسنایا۔ اُنکی اولاد محل کو سنبھال نہ سکی حضور نظام نے چالیس لاکھ روپے دیکر خرید لیا۔ ڈاکٹر نندی صاحب کی مہربانی سے اس محل کے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ یہ صاحب اقبال الدولہ کے دنوں میں بھی آیا کرتے تھے۔ اب وہ رنگ رلیاں جلسے اور محفلیں نظر نہیں آتیں۔

سدانہ باغیں بلبل بولے سدا نہ باغ بہاراں

سدانہ راجے راج کریند ے سدانہ صحبت یاراں

جب اس محل کو دیکھ کر شہر میں سے گذرے تو اہل شہر کا مشاہدہ کیا اُن کی شباہت سے مردانگی اور بہادری ٹپکتی تھی کہتے ہیں کہ ہندوستان کے کسی شہر میں ایسے بہادر جنگی مرد نظر نہ آئینگے۔ جیسے یہاں نظر آتے ہیں ہر کس و ناکس کسی نہ کسی قسم کا اسلحہ اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ جب روسا ایک دوسرے کی ملاقات کو بابندگان عالی کے سلام کو جاتے ہیں۔ تو خنجر کمر میں ہوتی ہے۔ نوکروں کا بھی یہی حال ہے بہت فرقوں کے لوگ پنی قطع وضع سے پہچانے جاتے ہیں۔ بہت عرب لوگ بازاروں میں نظر آتے ہیں۔ دوہرے بدن کے گورے رنگ کے گھنگریالے بال۔ پیش قبض کمر میں پرانی قسم کی بندوق کندھے پر دھرے ادھر اُدھر جاتے ہیں۔ جب کوئی عربی شیخ شہر سے گزرتا ہے۔ اُس کی پالکی یا ہاتھی کے ارد گرد بہت عرب لوگ ہوتے ہیں بندوقیں چلاتے اور بلند آواز سے اس شیخ کے القاب سناتے ہیں۔ کہیں سدی لوگ دکھائی دینگے۔ موٹے ہونٹ، لنبا سر، چوڑا چمکتا کالا کالا منہ ذرا ہنسی چہرے پر آجائے تو سفید دانت سیاہ زمین پر موتی کی طرح جڑے نظر آتے ہیں۔ یہ عربوں سے بھی زیادہ طاقتور اور قوی ہیکل ہوتے ہیں اور مسلح ہو کر باہر نکلتے ہیں۔ ایک اور صورت نظر آتی ہے۔ آہست آہستہ بڑی شان سے ایک شخص چلا آتا ہے۔ اونچی قطع دار پگڑی سر پر دھری ہے۔ ایک نیلا خفقان زیب تن ہے

بڑے فخر سے اوروں پر نظر ڈالتا ہے اور اپنے تئیں سب سے اعلیٰ سمجھتا ہے یہ روہیلا ہے۔ پھر پٹھان اپنی قطع وضع سے نرالے ہیں۔ پھر افغان نظر آتا ہے، اسکے پاس اسلحہ اوروں سے کم یہ گھوڑے اونٹوں کی تجارت کرتے ہیں۔ پھر ایک اور نرالی وضع کا آدمی سامنے آتا ہے، گینڈے کی ڈھال پشت پر ہے۔ ڈاڑھی مونچھ چڑھی ہیں۔ تند شکل لیکن شریف وفادار بہادر، جان نثار یہ راجپوت سپاہی ہے۔ ان کے علاوہ فارسی بخاری، ترک، سکھ، دکھنی مسلمان، پارسی، مدارسی، پنجابی سب کو یہاں دیکھ سکتے ہیں۔ پھر چند دکانیں دیکھیں۔ دکاندار ایک عجیب بھدی کرسی پر بیٹھا ہے۔ آگے بڑے بڑے مٹکے بھرے رکھے ہیں۔ چند قوی الجثہ دراز قد سیاہ فام مٹکے سر پر دھرے آرہے ہیں۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ سیندھی کی دکان ہے، تاڑی یہاں بکتی ہے بہت سستی ہے امیر اور غریب پیتے ہیں۔ تھکان کو دور کرتی ہے اور موسم گرما میں طبعیت کو فرحت بخشتی ہے شراباً طہورا کا خیال آگیا۔ کیونکہ محمدی ریاست میں دیگر شراب کی کب اجازت مل سکتی تھی۔

وہاں سے واپس آکر ویسلین گرجا میں لکچر پرہیزگاری کے بارہ میں دیا۔ دوسرے روز اسکندر آباد کو وعظ کرنے گیا۔ پادری گولڈ اسمتھ صاحب اور مولوی عبداللہ صاحب مسیحی مناد ہمراہ تھے۔ یہ شہر حیدر آباد سے چھ میل شمال کی طرف آباد ہے۔ دراصل یہ حیدر آباد کی چھاؤنی ہے جو ۱۷۹۸ء میں قائم ہوئی تھی نظام سکندر جاہ کے نام پر اس کا یہ نام رکھا گیا۔ کہتے ہیں کہ ہندوستان بھر میں سب سے بڑا فوجی سٹیشن ہے۔ ایک پلٹن یوروپین ایک دیسی رسالہ۔ ایک توپ خانہ رسالہ کا۔ تین دیگر توپ خانے۔ ایک کمپنی بیلدارونکی یہاں مقیم ہیں۔ اس کے نزدیک دو چھوٹی پہاڑیاں ہیں ایک کا نام مولا علی دوسری کا نام قدم رسول ہے۔ روایت ہے کہ یہاں حضرت کے قدم کا نشان لگا ہوا ہے۔ اس سے پانچ میل کے فاصلے پر نظام کو فوج ہے۔ جس میں ایک تو پخانہ، ایک رسالہ پیادہ فوج یورپین افسر کے ماتحت ہے۔

الغرض وہاں پہنچ کر بازار کے چوک میں وعظ کیا۔ بہت لوگ سننے کے واسطے جمع ہوگئے۔ پھر واپس مکان کو آیا۔

بارھواں باب

عرب ملا

ملّا صاحب کے نام سے تو ناظرین واقف ہونگے۔ یہ ملاطہ ہیں جنہوں نے عثمان شریف کے مباحثہ کے وقت اور غلام حسین صاحب کے مباحثہ کے وقت اپنی شریفانہ اور منصفانہ مزاج دکھا کر میرے دل میں کچھ گھر کر لیا تھا۔ اور ان کی اس طبیعت کے باعث اُن سے گفتگو کرنا ناگوار معلوم نہ ہوتا تھا۔ حسب وعدہ ۹ ستمبر کو پیر کے روز مشن ہاؤس میں ہم جمع ہوئے ملا صاحب کے رفیق اور محمدی صاحبان حاضر تھے۔ کمرہ تقریباً بھرا ہوا تھا۔ شرائط مناظرہ جو پہلے مقرر ہو چکی تھیں ان کی پابندی قرار پائی۔ ثالث پادری گولڈ اسمتھ صاحب اور ایک محمدی صاحب مقرر ہوئے۔ یہ شرط بھی قرار پا چکی تھی کہ دو گھنٹے سے زیادہ عرصہ مباحثہ میں نہ لگے۔

مباحثہ

شروع مباحثہ میں ملا صاحب نے یہ سوال کیا کہ میں مسیحی دین کے اصول اُنکو بتاؤں تاکہ میرا ٹھیک عقیدہ اُن کو معلوم ہو جائے۔ اور پھر اسکے مطابق وہ مجھ سے سوال کر سکیں اس لئے میں نے حسب فرمائش اپنا عقیدہ یوں بیان کر دیا۔

1. خُدا کو ایک ماننا۔
2. سیدنا مسیح کو خُدا کی طرف سے ماننا۔
3. سیدنا مسیح کی موت و قیامت و آمد ثانی پر ایمان رکھنا۔
4. سیدنا مسیح کو اپنا اکیلا نجات دہندہ سمجھنا۔
5. یہ ماننا کہ سیدنا مسیح مجسم کلمۃ اللہ ہے۔
6. روح القدس کلیسیا میں بستا اور ایمانداروں کو پاک کرتا ہے۔
7. مردوں کی قیامت ہو گی۔

یہ سات باتیں میں نے اس وقت پیش کیں۔

اس پر ملا صاحب نے یہ سوال کیا "خُدا، یسوع، اور روح القدس سے تمہاری کیا مراد ہے۔ کیا یہ تینوں مل کر خُدا ہوتے ہیں۔ یا الگ لگ خُدا ہیں۔ اور ایک سے مراد اتحاد فی الذات یا فی لاماہیت ہے کیا کیا"۔

جواب۔ خُدا سے مراد ذات الٰہی ہے جو غیر مرئی ہے یسوع سے مراد مجسم کلمۃ اللہ ہے، روح القدس سے مراد وہ تقدس ذات الٰہی ہے جو ایمانداروں کو پاکیزگی کی طرف مائل کرتا ہے اور پاک بناتا ہے چونکہ یہ دونو یعنی یسوع اور روح القدس ذات الٰہی کو اول بذریعہ تجسم، دوم، بذریعہ قدسیت منکشف کرتے ہیں اسلئے وہ ذات الٰہی سے الگ نہیں سمجھے جاتے اور نہ علیٰحدہ علیٰحدہ ہو سکتے ہیں کیونکہ ذات الٰہی کے جزاور حصے نہیں ہو سکتے۔ ایک سے مراد اتحاد فی الذات الٰہی کے جزاور حصے نہیں ہو سکتے۔ ایک سے مراد اتحاد فی الذات ہے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ تینوں مل کر ایک خُدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس سے یہ لازم آئیگا کہ ذات الٰہی مرکب ہے۔

سوال: ملاصاحب۔ خُدا سے مراد ذات الٰہی ہے کیا خُدا اور اللہ میں فرق ہے۔ جو ذات الٰہی لکھوادی؟

جواب: فرق نہیں۔

سوال: ملا۔ پھر مختلف الفاظ متحد المعنی لانے سے کیا مراد ہے۔

جواب۔ تشریح مطلب۔

سوا ملا۔ لفظ مجسم جو آپ لائے ہیں۔ تمہارے پاس مجسم کس کو کہتے ہیں۔ کلمۃ اللہ جو مجسم ہوا ہے کیا آگے نہ تھا جو مجسم ہوا یا اگر تھا تو جسم بدلنے کے سبب سے مجسم ہوا؟

جواب۔ مجسم سے مراد ہے کسی کا مادی جسم میں ظاہر ہونا یعنی جو پہلے موجود ہو وہ مادی جسم اختیار کرے۔ جسم کے بدلنے کو مجسم نہیں کہتے۔

(یہاں ایک اور مولوی صاحب نے ملا صاحب سے اجازت لے کر گویہ خلاف شرائط تھا میرے ساتھ مسئلہ ثالوث پر بحث شروع کر دی اور جب حاضرین اور ملا صاحب کو اُن کی کمزوری معلوم ہوئی تو اُن کو خاموش کر دیا اور خود سلسلہ بحث کو لے لیا۔ اس لئے میں اُس بحث کو یہاں درج نہیں کرتا)۔

سوال ملا: یہ جملہ کہ "تجسم کے بدلنے کو مجسم نہیں کہتے" مسلم نہیں۔

جواب۔ ثبوت دیجئے۔

ملا صاحب کا ثبوت: اس کا ثبوت ہے بموجب آپ کے قول کے جو بیان کیا ہے مجسم سے مراد ہے۔ کسی کا مادی جسم میں ظاہر ہونا یعنی جو پہلے موجود ہو وہ مادی جسم اختیار کرے۔ اس سند سے جو آپ نے فرمایا کہ پہلے موجود تھا وہ مادی جسم اختیار کیا۔ یہ لازم آتا ہے۔

(۱۔) پہلے جو موجود تھا جو اب مادہ اختیار کیا ہے یہ مادہ پہلے تھا یا نہیں؟

(۲۔) اگر تھا تو یہ مادہ جو اب اختیار کیا ہے یہ اُس کے موافق یا ہے۔

(۳۔) اگر موافق ہے تو لازم آتا ہے تحصیل حاصل۔

(۴۔) اگر مخالف ہے تو لازم آتا ہے دو مختلف خُدا وجود میں آئے۔

(۵۔) کیا سبب کہ جو پہلے موجود تھا اُس کی قدرت ناقص ہے یا کامل۔

(۶۔) اگر ناقص ہے تو اس وقت سے جو مادی جسم لیا ہے۔ بغرض تکمیل نقص لیا ہے یا نہیں۔

(۷۔) اگر بغرض تکمیل نقص لیا ہے اس سے یہ لازم آتا ہے کہ پہلا موجود محتاج ہو۔

(۸۔) جو محتاج ہوتا ہے۔ وہ قابل الوہیت نہیں۔

(۹۔) اس کی سند عیسیٰ اور روح القدس کو تم اس کے ساتھ شریک کرتے ہو دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ وہ محتاج ہو۔

(۱۰۔) اس کی سند تمہاری کتاب کی رو سے جو ملاکی کے تیسرے باب چھٹی آیت گواہ ہے اس باب پر لکھا ہے کہ خُداوند بدلتا نہیں۔

(اس کے متعلق دو باتیں ذکر کیا چاہتا ہوں)۔

اول۔ یہ کہ اس غلط اُردو کا میں ذمہ دار نہیں۔ چونکہ یہ مباحثہ تحریری تھا۔ جو وہ لکھواتے تھے وہی لکھا جاتا تھا۔ اور ملا صاحب کی اُردو زبان بہت صاف بامحاورہ نہ تھی۔ اس لئے اُس کی تصحیح کی کوشش نہیں کی گئی۔

دوم۔ میں نے یہ درخواست کی تھی کہ مجھے اجازت ملے کہ ان دس باتوں کا جواب اکٹھا دوں کیونکہ مجھے یہ اندیشہ تھا کہ جب میں پہلی بات کا جواب دونگا تو اُس پر پھر سوال ہوگا۔ یوں کلیلہ دمنہ کی حکایت شروع ہو جائیگی اور باقی نو جز بلا جواب کے رہ جائینگے۔ لیکن فریق ثانی نے یہ اجازت نہ دی بلکہ اسی امر پر اصرار کیا کہ ایک ایک بات کو لیا جائے سارے اجزا کا اکٹھا جواب نہ دیا جائے۔ اسلئے آپ دیکھینگے کہ باقی نو اجز کے جواب دینے کی نوت کبھی نہ آئی)۔

جواب جزاول۔ جو مجسم ہوا کلمۃ اللہ تھا۔ کلمۃ اپنی ذات میں مادی نہیں۔

سوال ملا: کلمۃ اللہ کس کو کہتے ہیں تمہارے پاس۔

جواب۔ کلمۃ اللہ ہمارے پاس وہ ہے جو الٰہی ذات غیر مرئی کو خلقت پر منکشف کرتا ہے۔

سوال ملا: یہ جواب غیر مسلم ہے اس لئے کلمہ کے واسطے متکلم ہونا چاہیے ورنہ کلمہ بموجب قاعدہ عربی ہے جو تم عربی لفظ لایا ہے معلق رہتا ہے۔ الفاظ معلقہ سے استدلال کرنا مطلب ظاہر نہیں کرتا۔

جواب۔ یہ جو آپ نے میرے جواب کے غیر مسلم ہونے کی دلیلیں دی ہے وہ درست نہیں۔ کیونکہ جب کوئی مذہب اپنے کسی مسئلہ کی تعریف کردے تو اُس کے لئے عربی قواعد کو پیش کر دینا بالکل غیر متعلق ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ کلمۃ اللہ کے معنی صاف طور پر یوحنا کی انجیل کے پہلے باب میں بتائے گئے ہیں۔ اور یہ بھی مخفی نہ رہے کہ میں نے وہی الفاظ استعمال کئے ہیں جو کتاب مقدس میں آئے ہیں اور شرائط مناظرہ میں یہ پہلے قرار پاچکا ہے کہ گفتگو کب مقدسہ کے مطابق ہوگی۔ اگر کوئی اعتراض میری تعریف یا بیان پر کیا جاتا تو وہ کتب مقدسہ کے مطابق ہونا چاہیے۔ نہ کہ عربی قواعد کے مطابق۔ نیز جب خُدا کی ذات یا صفات کے بارہ میں ہم کوئی الفاظ استعمال کرتے ہیں تو وہ عام الفاظ سے جو انسانوں کے متعلق ہوں۔ پابند نہیں ہوتا (یعنی کچھ متفرق ہوتا ہے ٹھیک اُسی معنی میں وہ مستعمل نہیں ہوتا) کیونکہ خُدا کی ذات وصفات بے نظیر ہیں۔ انسانی الفاظ وکلمات میں اُن کو پورے طور سے بیان کرنا ناممکن ہے۔ پس اگر میری تعریف غیر مسلم ٹھہرائی جاتی ہے تو کتب مقدسہ سے ٹھیرائی جائے نہ کہ عربی قواعد سے۔

سوال ملا: اگر کوئی مذہب میں کوئی غیر مذہب کا لفظ آجائے۔ تو جس زبان کا وہ لفظ ہے اُس زبان کے قاعدہ کے مخالف نہیں ہو سکتا اسلئے وہ مذہب جو اُس لفظ کو غیر مذہب سے لیا ہے۔ لینے کا وجہ یہ ہے کہ اُس لفظ کا موافق یا اُس کے معنی میں اپنی زبان میں نہ ملنے کی وجہ سے غیر لغت سے لفظ لیا ہے۔ یعنی تو بغرض تجسس عبارت لیا ہے۔ ہر حالت میں اگر دونو غرضوں سے لیا ہو تو اُس زبان کے قاعدہ کے مخالف نہیں ہو سکتا چاہے وہ لفظ خُدا سے یا خُدا کی صفات سے یا غیر سے تعلق رکھتا ہو یا نہیں۔ ورنہ مجیب پر یہ لازم ہوگا اُس لفظ پر ایسا دلیل پیش کرے۔ ہم اپنی غرض کے موافق اُس لغت کے قاعدہ کو دلائل عقلی سے اُس کی تردید کر کے اپنی لغت میں استعمال کرینگے۔ اگر یہ مراد ہے تمہاری کتاب مقدس میں جتنے عربی الفاظ ہیں اس کو بدل دینا کا اقرار کر دیا نہیں۔ اگر نہیں تو اپنے مطلب کے موافق جو ہے بدل دیتے اور جو تمہارے مطلب کے موافق نہیں ہے بحال رکھنا۔ تشریح فرمایئے۔

جواب۔ میں نے کسی غیر مذہب کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ تمہارے مذہب میں کلمہ ایک جملہ کو کہتے ہیں یا وہ پانچ کلمے جن کو آپ پڑھا کرتے ہیں اسلئے میں نے کلمۃ اللہ آپ کے مذہب سے نہیں لیا۔ دوم میں اردو زبان استعمال کر رہا ہوں اور یہ لفظ اُردو زبان کے قواعد کے خلاف نہیں۔ اگر اردو زبان کے قواعد کے خلاف تھا۔ تو آپ کو قواعد اُردو سے اُس قاعدہ کا حوالہ دینا چاہیے تھا۔ لیکن قواعد اُردو سے تو آپ واقف معلوم نہیں ہوتے۔ آپ کی عبارت اس امر کی شاہد ہے یہ جو آپ نے اپنی بے قاعدہ اُردو میں فرمایا کہ "وہ مذہب جو اس لفظ کو غیر مذہب سے لیا ہے۔ لینے کا وجہ یہ ہے کہ اُس لفظ کا موافق یا اُس کے معنی ہیں میں اپنی زبان میں ملنے کی وجہ سے غیر لغت سے لفظ لیا" سو آپ کو واضح ہو کہ ہماری مذہبی کتابیں یونانی یا عبرانی زبان میں لکھی ہیں وہاں

آپکی عربی زبان سے یہ لفظ نہیں لیا گیا۔ چنانچہ اُن زبانوں میں کلمہ کے لئے لفظ لاگوس یا ممرے پایا جاتا ہے۔ لیکن جب اُن کتابوں کا ترجمہ اُردو زبان میں ہوا تو اردو زبان کے لفظ استعمال کئے گئے اگر عربی زبان میں سے اردو زبان میں بعض الفاظ آگئے ہیں تو وہ مسیحیوں کا قصور نہیں نہ اُن کے وسیلے آئے ہیں۔ ہم نے یہ تو زبان اُردو بنی بنائی پائی اور اپنی کتابوں کو اُن میں ترجمہ کیا ہم نے تو کوئی لفظ آپ کے مذہب یا زبان سے مستعار نہیں لیا۔ پھر آپ یہ فرماتے ہیں کہ ہم اپنی مقدس کتابوں سے سارے عربی الفاظ کو بدل دینے کا اقرار کرو۔ سو جناب من میں اقرار کرتا ہوں کہ سارے عربی الفاظ اپنی مقدس کتابوں کے اردو ترجمے سے اُردو زبان سے نکلوائینگے ہم کو اُن الفاظ کے استعمال کرنے کی کچھ ضرورت نہ ہوگی اور نہ ہم کو ایسا بڑا شوق ہی ہے لیکن چونکہ اُردو زبان میں یہ لفظ آگئے ہیں۔ اس لئے ہم نے بھی استعمال کئے۔ ہماری غرض اردو زبان سے ہے۔ نہ عربی لفظ سے۔ جس دن آپ نے یہ الفاظ اُردو زبان سے خارج کرادئے۔ تو غالباً سب سے پہلے مسیحی اپنی اردو کتابوں سے یہ عربی الفاظ نکلوائینگے۔

نیز آپ نے یہ فرمایا کہ "ہم اپنے مطلب کے موافق جو ہے بدل دیتے ہیں جو مطلب کے موافق نہیں بحال رکھنا"۔ یہ تو آپ نے انوکھی سنائی کہ جو مطلب کے موافق ہے اُس کو بدل دیتے ہیں اور جو مطلب کے موافق نہیں اُس کو بحال رکھتے ہیں۔ ایسا کون پاگل ہوگا جو ایسا کرے۔ بلکہ ہم تو اس کے برعکس کرتے ہیں کہ جب ہم کتاب مقدس کے ترجموں کی اصلاح کرتے ہیں تاکہ ان کو زیادہ بامحاورہ بنائیں تو ہم اُن الفاظ کو جو مطلب کے موافق ہوتے بحال رکھتے ہیں اور جو مطلب کے موافق نہیں اُن کو بدل ڈالتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے نذیر احمد صاحب نے بھی اپنے قرآن کے ترجمہ میں اس قاعدہ کو قائم رکھا ہے۔ اور چونکہ زبان میں اکثر زمانہ بزمانہ تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور پُرانے الفاظ متروک ہوتے جاتے ہیں نئے الفاظ اور محاورے آجاتے ہیں۔ اس لئے ہم اپنی کتابوں کو تازہ رکھنے کی غرض سے حسب زمانہ تازہ محاورات کو اختیار کر لیتے ہیں اور متروک الفاظ محاورات کو بدل ڈالتے ہیں۔ لیکن عبرانی اور یونانی کتابوں کے ساتھ ہم ایسا نہیں کرتے۔

(میں نے یہ جواب زبانی دیا تھا۔ اس کو میں نے اُس وقت قلمبند نہ کیا تھا۔ میں نے اُس کا خلاصہ اپنی یادداشت سے یہاں درج کیا ہے) اس جواب کے ختم ہونے پر ہمارے دو گھنٹے پورے ہوگئے اور مباحثہ بند ہوا۔ لیکن ملا صاحب نے پانچ منٹ کی اور اجازت مانگی۔ ان کے اصرار پر ہم نے اُن کو پانچ منٹ اور دیدئے۔ چنانچہ اُنہوں نے اس پانچ منٹ کے عرصہ میں یہ سوال کیا۔

سوال ملا۔ اگر نہیں تو اپنے مطلب کے موافق جو ہے بدل دیتے اور جو تمہارے مطلب کے موافق نہیں بحال رکھتا۔ ہمارے مذہب میں یہ بات بہت عیب ہے۔ کوئی الفاظ الٰہی میں تغیر و تبدل کرنا جیسا تمہارے مذہب میں اپنی کتاب کو بدل دیا ہے جیسا یوحنا کے پہلے خط پانچویں باب ساتویں آیت میں تبدیل کیا ہے۔ جیسا تمہارے پاس مسلم ہے۔ اب کے چہار شنبہ اس کا جواب دینا۔

ناظرین پر واضح ہوگیا ہوگا کہ ملا صاحب نے مسئلہ ثالوث پر اعتراض کر کے جب جواب شافی پایا تو لفظی بحث پر اُتر آئے۔ اور بہت وقت ضائع کیا لیکن لفظی بحث کے وہ ناقابل تھے کیونکہ زبان سے اچھی طرح واقف نہ تھے اور ایسی عبارت استعمال کرتے تھے کہ مشکل سے اس کا مطلب ظاہر ہوتا تھا۔ چند محمدیوں نے اس امر کی شہادت دی کہ جن اشخاص کو ایسے لفظی تکرار کی مرض ہو اُن سے گفتگو کر کے محض وقت ضائع کرنا ہے۔ میرا یہ عذر تھا۔ کہ میں ان کی اس عادت سے واقف نہ تھا۔ بلکہ پہلے دو تین موقعوں پر ان کی طبیعت ایسی ظاہر نہ ہوئی تھی۔ پھر بھی اس مباحثہ سے حاضرین پر اچھا اثر ہوا۔ خاص کر مسئلہ ثالوث کے بارہ میں کیونکہ ان کو یہ معلوم ہوگیا کہ یہ ایسا مسئلہ نہیں کہ ہم مسیحیوں کو زچ کر سکیں۔ چنانچہ ملا صاحب نے بھی اس مسئلہ سے پہلو تہی کر کے صحت انجیل پر بحث شروع کرنا چاہا۔

تیراہواں باب

ایلور

۲۶ ستمبر کو ایلور کی طرف روانہ ہوا۔ صبح دس بجے وہاں پہنچ گیا۔ پادری گولڈاسمتھ صاحب سٹیشن پر تشریف لائے۔ ان کے ہمراہ الگزنڈر صاحب کے مکان پر جاکر حاضری کھائی۔ یہ بزرگ پادری صاحب گو بہت عمر رسیدہ ہیں لیکن زندہ دل ہیں اور اس علاقہ کے سپرنٹنڈنگ مشنری ہیں۔ حاضری تناول کرنے کے بعد دیسی پادری سبراؤ صاحب کے ساتھ رہنے کا انتظام تھا یہاں اس مشن کا ذکر خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

جس موقعہ پر ہم لوگ پہنچے وہاں کے ہائی سکول کی جوبلی کا جلسہ ہو رہا تھا۔ اس سکول میں چار سو سے زیادہ طلباء تھے۔ اس علاقہ میں پانچ ہزار سے زیادہ مسیحی ہیں۔ خشک سالی سے یہاں لوگوں کو بہت تکلیف ہوئی۔ تعصب مذہبی تعلیم کے سامنے کافور ہو رہا ہے۔ ایک خاص فرقہ میں مسیحی دین کی طرف خاص تحریک پائی جاتی ہے۔ خُدا برکت دے۔

دوسرے روز پادری گولڈاسمتھ صاحب ایک محمدی صاحب کی ملاقات کو گئے۔ مجھے بھی ساتھ لے گئے اُن کے مکان پر چند محمدی جمع ہو گئے۔ مذہب کے بارہ میں کچھ گفتگو شروع ہو گئی۔ ایک محمدی صاحب نے یہ سوال مجھ سے کیا۔ کیا قرآن جھوٹی کتاب ہے؟ کیا محمد رسول اللہ نہیں؟ جواب دینا ذرا مشکل تھا۔ کیونکہ دوسروں کے گھروں میں جاکر اُن کے مذہب پر حملہ کرنا اور اُن کے بزرگوں کو بُرا بھلا کہنا ناز یبا معلوم ہوتا ہے۔ پھر بھی حق کو بیان کرنا ضرور ہے۔

پہلے سوال کے بارہ میں یہ جواب میں نے دیا۔ کہ الہامی کتابوں کا بیان جہاں کہیں آجائے۔ وہ الہامی ہی رہتا ہے اگر کوئی شخص اپنی کتاب میں کسی الہامی کتاب سے اقتباس کرے یا اُس کا حوالہ دے تو وہ اقتباس اور حوالہ الہامی ہے۔ غیر الہامی نہیں گو وہ غیر ملہم شخص نے یا غیر الہامی کتاب نے مذکور کیا ہو۔ چونکہ قرآن میں الہامی کتابوں میں سے بہت بیانات آئے ہیں۔ اسلئے ہم ان بیانات کو غیر الہامی نہیں کہہ سکتے اور اس کتاب کو جھوٹی کتاب نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس میں بہت سچے واقعات اور الہامی بیانات آئے ہیں۔ اور کتاب کی غرض بھی غلط معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ مشرکان عرب کو خُدائے واحد کی طرف آنے کی ترغیب اور دعوت دی ہے۔ میں نے یہ جواب اس لئے دیا کہ میں قرآن کو جھوٹی کتاب کہنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

دوسرے سوال کے جواب میں یہ کہا کہ دنیا میں کوئی شخص بھی اپنی مرضی سے نہیں آیا اور نہ بے مقصد آیا۔ خُدا نے ہر ایک کو دنیا میں بھیجا ہے۔ اور ہر ایک کو ایک خدمت یا ایک کام دیکر بھیجا ہے۔ یعنی دنیا میں ہر فرد بشر کا ایک مشن یا ایک رسالت ہے۔ اس لئے ہر شخص خُدا کی طرف سے رسول ہے۔ خُدا نے محمد صاحب کو بھی ایک خدمت سپرد کی اور اُن کا بھی ایک خاص مشن تھا۔ اس لئے وہ بھی رسول خُدا کہلانے کے مستحق ہیں۔ یہ دیگر امر ہے ہر شخص اپنے مشن اور رسالت کو خُدا کی مرضی کے مطابق سرانجام دیتا ہے یا نہیں۔ لیکن ہر شخص رسول، نیز محمد صاحب نے عرب کے مشرکوں کو خُدا پرستی سکھائی۔ مسیحیوں کی خستہ حالی کے لئے ایک کوڑے کا کام دیا اس لئے وہ خاص طور پر رسول خُدا کہلا سکتے ہیں۔ ہم مسیحی تو نبوکد نصر اور خورس جیسے بت پرست بادشاہوں کو منجانب اللہ کہتے ہیں اور خورس بادشاہ خاص بندہ خُدا کہلاتا ہے۔ تو پھر محمد صاحب کو اس خاص معنی میں رسول کہنے سے ہمارا کوئی نقصان نہیں۔

یہ محمدی اس جواب کو سن کر خوش ہو گئے اور جو لکچر میں یہاں دینے کو تھا۔ اُس کے سننے کے واسطے تیار تھے۔

یہاں پادری سیل صاحب مدراس سے تشریف لائے ہوئے تھے اُن سے بھی ملاقات ہوئی۔ دوسرے دن شام کو میں نے سکول کے کمرہ میں لکچر دیا کہ "میں کیوں مسیحی ہوں" اور عام اجازت دی کہ بعد لکچر مضمون لکچر کے بارہ میں اگر کوئی سوال پوچھنا چاہے تو خوشی سے اُس کے سوال سن کر جواب دینے کی کوشش کی جائیگی۔ لیکن یہ شرط تھی کہ سوال جواب میں ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت نہ لگے۔ بعد لکچر صرف ایک شخص نے سوال کیا جس کا جواب باصواب دیا گیا۔ سیل صاحب بھی موجود تھے اُنہوں نے تعجب کیا۔ کہ یہ محمدی خاموش ہیں اور کوئی سوال نہیں پوچھتے یہ خیال گزرا کہ شائد اُنہوں نے میری زبان نہیں سمجھی۔ اس لئے ان سے دریافت کیا گیا کہ آیا وہ میری زبان اچھی طرح سمجھتے ہیں یا نہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ وہ بخوبی سمجھ گئے۔ لیکن سوال کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ دوسرے دن سوال کرینگے۔

دوسرے روز پھر لکچر ہوا۔ کہ "کلمہ مجسم ہوا" اس وقت ایک حافظ قرآن نے چند اعتراض اور سوال کئے۔ مثلاً اُنہوں نے پوچھا کہ محمد صاحب کو مسیحی کیوں نہیں جانتے؟

میں نے مختصر جواب دیا کہ

- جب مسیح کے آنے سے شرع واخلاق پورے طور سے ظاہر ہو گیا تھا۔ تب محمد صاحب کے ماننے کی کیا ضرورت رہی۔
- جب مسیح نے جہاں کا نجات دہندہ ہونے کا دعویٰ کیا تو پھر کسی دوسرے پر نجات کے لئے ایمان لانے کی ضرورت نہ رہے۔
- مسیح قدوس ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور محمد صاحب اپنے گناہوں کے لئے معافی مانگتے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح محمد صاحب سے کہیں افضل ہیں۔

علاوہ اس کے معمولی سوال فارقلیط کے بارہ میں کیا۔ جس کا جواب دیا گیا۔ یہاں اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔

جب حافظ صاحب خاموش ہو کر بیٹھ گئے تو ایک دوسرے محمدی نے گفتگو کرنا چاہا۔ چونکہ وقت ختم ہو چکا تھا۔ دوسرے دن صبح کو اُس کے ساتھ گفتگو قرار پائی۔ اُس کا سوال یہ تھا کہ اناجیل الہامی نہیں ہیں چنانچہ لوقا کے دیباچہ کا اُس نے حوالہ دیا۔

دوسرے روز وقت مقررہ پر سکول کے کمرہ میں حاضر ہوا۔ چند مسیحی معہ پادری گولڈ اسمتھ صاحب کے میرے ساتھ تھے۔ ستر اسی محمدی بھی فراہم ہو گئے۔ لیکن جس کے ساتھ گفتگو ٹھہری وہ تشریف نہ لائے۔ ایک گھنٹے سے زیادہ ہم سبھوں نے انتظار کیا۔ بعد انتظار وعظ کا موقع ملا۔ اور وعظ کر کے چلے آئے اُس روز شام کو میرا تیسرا لکچر دربارہ کفارہ مقرر تھا۔ اسلئے شام کو جگہ معینہ پر خُدا سے دعا مانگ کر حاضر ہوا۔ تقریباً چار سو محمدی تشریف لائے۔ خُدا سے مدد چاہ کر لکچر شروع کیا۔

چودھواں باب

کفارہ

کفارہ۔ اس لفظ کے معنی عبرانی زبان میں ڈھانپنا ہیں۔ خُدا نے حضرت موسیٰ کی معرفت ایک صندوق بنوایا تھا۔(جس کا ذکر سورہ بقرہ کی ۲۴۹ آیت میں آیا ہے۔التابوت فیہ سکینتہ)اور اُسے حکم ملا تھا کہ "تو اس عہد نامہ کو جو میں تجھے دونگا اُس صندوق میں رکھیو اور تو کفارہ کا سرپوش خالص سونے سے بنوائیو۔۔۔۔۔اور تو سونے کے دو کروبی بنوائیو انہیں گھڑ کر اُس کفارہ کے سرپوش کے دونو طرف بنوائیو۔۔۔ تو اُن کروبیوں کو اس کفارہ کے سرپوش کے دونو کونوں میں بنوائیو اور وہ کروبی پر پھیلائے ہوئے ہوں ایسے کہ کفارہ گاہ اُن کے پروں کے تلے ڈھپ جائے اور اُن کے منہ آمنے سامنے کفارہ گاہ کی طرف ہوں اور تو اس کفارہ گاہ کو اس صندوق کے اوپر رکھیو اور وہ عہد نامہ جو میں تجھے دونگا اُس صندوق میں رکھیو۔ وہاں میں تجھ سے ملاقات کرونگا اور میں کفارہ گاہ کے اوپر سے کروبیوں کے درمیان سے جو عہد نامہ کے صندوق کے اوپر ہونگے اُن سب چیزوں کی بابت جو میں بنی اسرائیل کے لئے تجھے حکم کرونگا تجھ سے بات چیت کرونگا"(خروج ۲۵:۱۶ سے ۲۲)۔

پھر ایک دوسرے مقام میں لکھا ہے کہ "تو کفارہ کا سرپوش شہادت کے صندوق پر پاک ترین مکان میں رکھ(خروج ۲۶:۳۴)۔

پھر یوں آیا ہے۔ کہ اُس بخور کو خُداوند کے حضور آگ میں ڈال دے تاکہ بخور کا دھواں کفارہ گاہ کو جو شہادت کے صندوق پر ہے چھپائے کہ وہ ہلاک نہ ہو۔ پھر وہ اُس بچھڑے کا لہو لے کر اپنی اُنگلی سے کفارہ گاہ پر پورب کی طرف کو چھڑکے اور کفارہ کے آگے بھی لہو اپنی انگلی سے سات بار چھڑکے "(احبار ۱۶:۱۳،۱۴)۔

توریت کے مذکورہ بالا مقامات سے اس لفظ کفارہ کی وجہ تسمیہ معلوم ہو جاتی ہے۔ یعنی۔

(۱۔) یہ شریعت کو ڈھانپتا ہے۔ جس کو انسانوں نے توڑا تھا۔ اور خُدا کے عہد میں خلاف ورزی کرنے کے باعث خُدا ناراض تھا۔ اب یہ کفارہ ساری تقصیروں اور حکم عدولیوں پر گویا پردہ ڈال دیتا ہے۔

(۲۔) جب انسان کے گناہ ڈھانپے گئے تو یہ کفارہ خُدا سے ملاقات کا وسیلہ اور موقع ہو جاتا ہے۔

یہودی شریعت میں سال میں ایک دن مقرر تھا۔ اس روز ساری اُمت کے گناہوں کا کفارہ دیا جاتا یا یہ کہو کہ امت کے گناہ ڈھانپے جاتے تھے۔ اس دن کی رسم کا ذکر احبار کی کتاب کے سولھویں باب میں مختصراً یوں ہوا ہے۔ کہ ساتویں مہینہ کی دسویں تاریخ سارے بنی اسرائیل روزہ رکھیں۔ اور اپنی جانوں کو دکھ دیں۔ پھر بکری کے دو بچے چنے جائیں، ایک بچہ ذبح کیا جائے۔ اُس کا خون کفارہ گاہ پر چڑھکا جائے اور اُس کے ذریعے ہیکل کے لئے بنی اسرائیل کی ناپاکی کے لئے اور اُن کے گناہوں اور ساری خطاؤں کے لئے کفارہ دیا جائے۔ پھر وہ سردار کاہن دوسرے حلوان کے سامنے لائے اور اپنے دونوں ہاتھ اُس کے سر پر رکھتے اور اُن کے سارے گناہوں اور خطاؤں کا اقرار کر کے اُن کو اُس کے سر پر گویا لاد دے اور کسی شخص کے ہاتھ اُس کو بیابان میں بھجوا دے۔

پس اس لفظ اور رسم سے ظاہر ہے کہ خُدا نے کفارہ کی تعلیم کو کیسا اہم اور ضروری ٹھہرایا اور اس کفارہ کا یہ اصول بتایا کہ لاخون بہائے معافی نہیں، یہ اُصول کبھی بدل نہیں سکتا۔ اس کی صورت اور شکل بدل سکتی ہے۔ لیکن اصول کبھی نہیں بدلتا ہم مسیحی اس اصول و تعلیم الٰہی کے موافق جو

توریت شریف میں اس تفصیل سے بیان ہوا بدل وجان کفارہ کو مانتے ہیں۔ یہی تعلیم آسمانی ہم آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ انجیل کی تعلیم کا مرکز یہی تعلیم ہے مسیح کے آنے کا بڑا مقصد یہی تھا۔ جیسا اُس نے فرمایا "ابن آدم اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ خدمت کرے اور اپنی جان بہتوں کے لئے فدیہ میں دے"۔

اس تعلیم کو کئی ایک تشبیہوں اور تمثیلوں کے ذریعہ توضیح دی گئی ہے۔ مثلاً۔

اسکو فدیہ یا زر مخلصی سے تشبیہ دی ہے اڑ لفظوں سے یہ تصور ہمارے سامنے کھینچا جاتا ہے۔ کہ کوئی شخص غلام ہے جس کی غلامی کی وجہ یا تو یہ ہو گی کہ وہ لڑائی میں شکست پاکر اسیر ہو گیا تھا اور اب بطور غلام کے اپنے فاتح کی خدمت کرتا ہے۔ یا یہ وجہ ہو گی کہ تنگدستی کے باعث اُس نے اپنے تئیں کسی کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اب اس میں اتنی قوت نہیں کہ اپنے تئیں چھڑا سکے نہ اُس کے پاس کچھ سرمایہ ہے جس کو دیکر اپنی جان کی مخلصی کرائے۔ یہی حالت گنہگار کی ہے۔ شیطان نے شکست دے کر اُسے اپنا غلام بنالیا ہے یا کسی بُری عادت کا ایسا عادی ہو گیا ہے کہ اُس سے چھوٹنا مشکل ہو گیا۔ یا شاید مجبوری سے گناہ کے ہاتھ بک گیا ہے۔ بہر حال اُس کی اب یہ حالت ہے کہ وہ خود اپنی طاقت و لیاقت سے شیطان اور گناہ کے پنجہ سے مخلصی حاصل نہیں کر سکتا۔ ایسے گنہگار کے لئے مسیح نے اپنی جان فدیہ میں بطور زر مخلصی کے دے کر اُسے رہائی دلوادی ہے اب وہ غلام نہیں بلکہ آزاد ہے۔

چنانچہ پولوس مقدس نے بھی اس کے بارہ میں یہ کہا ہے "خُدا بھی ایک ہی ہے اور خُدا اور انسانوں بیچ میں درمیانی بھی ایک ہی جس نے اپنے آپ کو سب کے فدیہ میں دیدیا تاکہ مناسب وقتوں پر اس کی گواہی دی جائے" (۱ تیمتھیس ۲: ۱۶)۔

"تم اپنے نہیں۔ کیونکہ قیمت سے خریدے گئے ہو"۔ "تو نے ذبح ہو کر اپنے خون سے ہر ایک فرقے اور اہل زبان اور اُمت اور قوم میں سے خُدا کے واسطے لوگوں کو خرید لیا ہے"۔

(ب) پھر اُس کو ملاپ سے تشبیہ دی ہے اس لفظ سے یہ خیال ظاہر ہوتا ہے کہ دو شخص علیٰحدہ علیٰحدہ رہتے تھے اور اُن میں سے اتفاق نہ تھا۔ بلکہ جدائی تھی اُن کا طریقہ اُن کی روش ایک دوسرے سے متفرق تھا۔

اب مسیح نے آن کر اپنی جان دینے کے ذریعے گنہگار انسان کا خُدا سے میل کرادیا۔ چنانچہ پولوس مقدس نے اس خیال کو یوں ظاہر کیا "سب چیزیں خُدا کی طرف سے ہیں جس نے مسیح کے وسیلے سے اپنے ساتھ ہمارا میل ملاپ کر لیا اور میل کرانے کی خدمت ہمارے سپرد کی" مطلب یہ ہے کہ خُدا نے مسیح کے وسیلے سے اپنے ساتھ دنیا کا میل کر لیا اور اُن کی تقصیروں کو اُن کے ذمہ نہ لگایا اور اُس نے میل کا پیغام ہمیں سونپ دیا" (۲ کرنتھیوں ۵: ۱۸، ۱۹)۔

ایک دوسرے مقام میں اس کا بیان یوں ہوا ہے "تم جو پہلے دور تھے اب مسیح یسوع میں مسیح کے خون کے سبب سے نزدیک ہو گئے ہو کیونکہ وہی ہماری صلح ہے جس نے دونو کو ایک کر لیا ہے۔۔۔۔ اُس نے آن کر تمہیں جو دور تھے اور اُنہیں جو نزدیک تھے صلح کی خوشخبری دی کیونکہ اُسی ہی کے وسیلے سے ہم دونو کی ایک ہی روح میں باپ کے پاس رہائی ہوتی ہے" (افسیوں ۲: آیت ۱۴ سے)۔

تیسری تشبیہ کفارہ۔ یعنی ڈھانپنا۔ ہمارے بیشمار گناہ تھے ہم گندے اور پلید ہو گئے تھے۔ خُدا کی آنکھوں میں ہم مکروہ تھے اور خُدا کے غضب کی آگ ہم کو بھسم کر دینے والی تھی کہ مسیح نے اپنی جان اور خون بہانے کے ذریعے ہمارے گناہوں کو ڈھانپ دیا۔ تاکہ بجائے غضب کے خُدا رحم کی نظر ہم پر کرے چنانچہ اس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔

چوتھی تشبیہ معافی۔ یہ لفظ قرضہ کے چھوڑ دینے پر دلالت کرتا ہے۔ شریعت کو ادا کرنا ہمارا فرض ہے۔ خُدا کا یہ قرض ہم پر تھا۔ لیکن ہم اس قرض کو ادا نہ کر سکے اور ہمارا انجام اسی قسم کا ہونے والا تھا۔ جو ایک نادہند قرضدار کا ہوتا ہے۔ اسی لئے سیدنا مسیح نے ہمیں یہ دعا مانگنے کی ہدایت کی "جس طرح ہم اپنے قرضداروں کو بخشتے ہیں۔ تو بھی ہمارے قرض ہمیں بخشدے"۔

یہاں تک تو کفارہ کی تشریح ان چار تمثیلوں کے ذریعے ہوئی ہے اب یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیونکر مسیح کے ذریعہ یہ ملاپ ہوا کیونکر غلامی سے مخلصی مل گئی اور یہ قرضہ معاف ہو گیا۔ نوع انسان کی حالت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سر خاندان اور قوم کے حسن وقبح کے نتائج میں باقی ممبر شریک ہوتے ہیں۔ نہ صرف انسان کا بلکہ کل خلقت کا یہی حال ہے کہ جنس کے حسن وقبح میں کل انواع اور نوع کے حسن وقبح میں کل افراد اُس نوع کے شریک ہوتے ہیں۔ آدم کی کمزوریوں میں اس کی اولاد شریک ہے حضرت ابرہام کو جو برکت ملی اُن برکتوں سے اُس کی اولاد اور باقی ایماندار فائدہ اٹھاتے ہیں۔ سلطنتوں میں یہی حال ہے چین میں چند شریروں نے کچھ فساد کیا تھا ساری سلطنت کو اُس کی تکلیف اٹھانی پڑی۔ جس طرح والدین کی عادات اور امراض میں اولاد مبتلا ہو جاتی ہے۔ اور جیسے والدین کے گناہوں کے باعث اولاد کو تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ ویسے ہی اُن کی خوبیوں اور صلہ میں اُن کی اولاد شریک ہوتی ہے۔ یہ قانون فطرت ہے اور یہی دلیل پولوس مقدس نے رومیوں کی طرف کے خط میں دی ہے "جب ایک شخص کے قصور کے سبب موت نے اُس ایک کے ذریعہ سے بادشاہی کی تو جو لوگ فضل اور راستبازی کی بخشش افراط سے حاصل کرتے ہیں وہ ایک شخص یعنی یسوع مسیح کے وسیلے سے ہمیشہ کی زندگی میں ضرور ہی بادشاہی کرینگے۔۔۔۔۔ جس طرح ایک شخص کی نافرمانی سے بہت لوگ گنہگار ٹھہرے اسی طرح ایک کی فرمانبرداری سے بہت سے لوگ راستباز ٹھہرینگے"۔

قرآن نے بھی اس اُصول کو مانا ہے "چنانچہ سورہ فائدہ میں "ایک جگہ یوں آیا ہے "فمن تصدق بہ فھو کفارہ" (پھر جو (مظلوم) بدلہ معاف کردے تو وہ (اُس کے گناہوں کا) کفارہ ہو گا (ترجمہ نزید احمد)"۔

پھر ایک اور سورہ میں یوں آیا ہے وفدینہ بذبح عظیمہ (ہم نے بڑی قربانی کو (اسماعیل کا) فدیہ دیا (ترجمہ نزیر احمد) علاوہ ازیں خاص خاص گناہوں کے لئے کفارہ مقرر ہے۔ چنانچہ سورہ مائدہ میں ممنوع مہینے میں شکار کرنے کے لئے کفارہ مقرر ہے۔ کفارہ الانعامہ منسکین۔ کفارہ ہے محتاجوں کو کھانا کھلانا) ویسا ہی قسم ٹوٹنے پر کفارہ مقرر ہے۔ یعنی اُن گناہوں کی معافی کسی دوسرے کے ذریعے سے مقرر ہو جاتی ہے۔ اہل شیعہ تو امام حسین کی شہادت کو اُمت کا کفارہ ماننے پر تیار ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ محمدی اس مسئلہ کفارہ کو غلط نہیں کر سکتے یہ اصول تو اُن کو قرآن کی تعلیم کے موجب بھی ماننا پڑیگا۔ ہاں خاص کے کفارہ کو چاہے مانیں چاہے نہ مانیں یہ اُن کا اختیار ہے۔ انجیل شریف میں تو اس کی تعلیم بہت مفصل طور سے بیان ہوئی ہے جیسا کہ پیشتر مذکور ہوا۔ چونکہ مسیح کلمتہ اللہ اور روح اللہ ہے اس لئے اس کے کفارہ کی تاثیر عالمگیر ہے یعنی سارے انسان اُس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں کیونکہ اس کی قدر و قیمت غیر محدود ہے۔

البتہ بعضوں نے یہ اعتراض کیا کہ مسیح کا صلیب پر مرنا غلط ہے چونکہ مسیح کا کفارہ مسیح کی موت پر دلالت کرتا ہے اور موت اس کی واقع ہوئی نہیں۔ اس لئے کفارہ نہیں ہوا۔ ان لوگوں نے یہ تو بخوبی سمجھ لیا۔ کہ کفارہ کا مرکز مسیح کی موت ہے۔ اگرچہ ایک طرح سے مسیح کی ساری زندگی کفارہ ہے۔ کیونکہ ہمیشہ اُس نے اپنے باپ کی مرضی کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھا اور اُس پر عمل کیا۔ اور اُسی کو دوسروں کے سامنے پیش کیا۔ اگرچہ کفارہ کی عظمت بھی اس کی اس پاکیزہ زندگی اور فرمانبرداری پر موقوف ہے تو بھی اس فرمانبرداری کا کمال اس سے ظاہر ہوا کہ اُس نے اپنی جان دیدی بعض۔ محمدی صاحبان نے اس لئے مسیح کے مصلوب ہونے کا انکار کیا کہ ان کے زعم میں صلیب پر لٹک جانا انسان کو لعنی کر دیتا ہے۔ لیکن ان کو شائد معلوم نہیں کہ

فرعون نے ان جادو گروں کو جو اپنے کفر سے توبہ کر کے موسیٰ پر ایمان لائے اور قوم کے سامنے علانیہ شہادت دی ہاتھ پاؤں کاٹ کر صلیب پر کھینچ دیا اور صلیب پر قتل کر ڈالا لاصلبنکم فی جذوع النخل (سورہ طہ ع) اور مسلم شریف میں آنحضرت نے قصہ اصحاب الاخدود میں فرمایا کہ کس طرح ایک کافر بادشاہ نے ایک ولی کامل صاحب کشف و کرامات کو صلیب کے اوپر کھینچ دیا پھر اُس کے ایک تیر مارا جو مصلوب کی کنپٹی پر جالگا اور وہ وہیں مر گیا۔ اس کا مفصل بیان اکبر مسیح صاحب نے رسالہ ضربت عیسوی (یہ کتاب ہماری ویب سائٹ پر موجود ہے) میں کیا ہے۔ یہاں مجھے ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

بعض صاحبوں نے قرآن کی اس آیت سے (ماقتلوہ وماصلبو) یہ سمجھا کہ نہ وہ قتل کیا گیا نہ وہ صلیب دیا گیا۔ لیکن کیا ان الفاظ کے کچھ اور معنی نہیں ہو سکتے۔ شاید ان الفاظ سے یہ مراد ہو کہ یہودی لوگ مسیحیوں کو چڑانے کے لئے یہ کہتے تھے کہ ہم نے تمہارے مسیح کو مار ڈالا۔ لیکن خُدا ان کے غرور کے جواب میں یہ کہتا ہے کہ تم نے نہیں بلکہ میں نے اسے صلیب پر مصلوب ہونے دیا۔ چنانچہ مقدس پطرس یہودیوں کے سامنے وعظ کرتے وقت اس کا ذکر کرتا ہے "جب (یعنی یسوع) خُدا کے مقررہ انتظام اور ازلی علم کے موافق پکڑوایا گیا۔ تو تم نے بے شرع لوگوں کے ہاتھ سے اُسے میخیں گڑوا کر مار ڈالا"۔ اور بعض عالم ماصلبوہ کے یہ معنی بھی کرتے ہیں تو کیوں ایسے معنی اختیار کئے جائیں۔ جو انجیل شریف کے بیان اور انبیاء سلف کی پیشینگوئیوں کے خلاف ہوں اور یوں نجات کے طریقہ سے دور جا پڑیں۔

کبھی کبھی غیر مسیحی ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں۔ کہ اب مسیحیوں کو گناہ کرنے کی آزادی ہے جتنے گناہ چاہیں کر لیں کیونکہ مسیح ان کے لئے کفارہ ہو گیا۔ اے صاحبو صدیوں سے مخالفوں نے یہ الزام ہم پر لگایا اور مسیحیوں نے برابر اس کا انکار کیا ہے کہ مسیح کے کفارہ کا یہ مقصد نہیں کہ ہم گناہ کیا کریں۔ چنانچہ مقدس یوحنا نے فرمایا کہ وہ "(یسوع) اسلئے ظاہر ہوا تھا کہ گناہوں کو اٹھالے جائے اور اُس کی ذات میں گناہ نہیں جو کوئی اُس میں قائم رہتا ہے۔ وہ گناہ نہیں کرتا" (ایوحنا ۳: ۵، ۶)۔

"اس کے بیٹے یسوع کا خون ہمیں تمام گناہ سے پاک کرتا ہے۔۔۔۔ اگر اپنے گناہوں کا اقرار کریں تو وہ ہمارے گناہوں کے معاف کرنے اور ہمیں ساری ناراستی سے پاک کرنے میں سچا اور عادل ہے" (ایوحنا ۱۔ ۷، ۹)۔

اے صاحبو یہ خُدا کی محبت کا تقاضہ تھا کہ اُس نے ہم گنہگاروں کے لئے یہ انتظام کیا ہم اس کے بڑے ادب اور شکر گزاری سے قبول کریں۔

لکچر کے ختم ہونے کے بعد چند سوالات حاضرین نے کئے۔ جن کا جواب دیا گیا۔ وہ معمولی سوال تھے اُس لئے اُن کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن ایک مزے دار بات واقع ہوئی۔ ایک شخص بہت کچھ اعتراض سوچ کر آیا تھا۔ اُس نے جواب ایک سوال پیش کیا تو میں نے اُس سے پوچھا کہ کیا تم محمدی ہو؟ کیونکہ میں اس وقت محمدی صاحبان سے مخاطب ہوں اور اُنہیں کے لئے یہ لکچر دیا گیا ہے اور اُنہیں کے سوالات کا جواب دینا چاہتا ہوں۔ پس اگر تم محمدی ہو تو سب کے سامنے کہہ دو پھر اپنا سوال پیش کرو۔ نہ معلوم اسے کیا ہوا کہ وہ اپنے تئیں سب کے سامنے محمدی کہنے سے شرمایا۔ اور یہی اصرار کرتا رہا کہ میں یہ نہیں کہونگا کہ میں محمدی ہوں۔ سب مسلمانوں نے اُس سے درخواست کی کہ محمدی ہو کر پھر تم کیوں اقرار نہیں کرتے۔ لیکن اُس نے اقرار نہ کیا پر نہ کیا۔ پھر میں نے یہ بھی عرض کہ اپنے اعتراض کو کسی دوسرے محمدی بھائی کی معرفت پیش کر دو میں اس کا جواب دونگا۔ لیکن میں تم سے مخاطب نہ ہونگا۔ اُس سے مخاطب ہو کر اُس اعتراض کا جواب دیدونگا۔ اس شخص نے یہ بات بھی نہ مانی اور بہتوں کو اُس سے شرم آئی اور اُس بزدلی کے باعث اُسے بہت شرمندہ کیا۔ خُدا کی شان ہے کہ وہ عین وقت پر مخالفوں کے منہ بند کر دیتا ہے۔ اس کی حمد و تعریف ابد تک ہو۔

پندرھواں باب
مچھلی پٹم

ایلور سے روانہ ہو کر بجواڑہ میں آیا وہاں پادری اننتم گارو صاحب کے مکان پر چند گھنٹے ٹھیرا۔ یہ پادری صاحب ایک مشن ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ بڑے خلیق، ان کی میم صاحبہ نے بڑی خاطر مدارات کی اور مسیحی مہمان نوازی کا ثبوت دیا۔ یہ شہر پیپل کے درختوں سے باعث بہت مشہور ہے۔ کثرت سے پیپل کے درخت ہیں اور اُن میں دودھ کی ندیاں بہ نکلتی ہیں کہتے ہیں کہ گرمی کے موسم میں یہاں کے لوگ پیپل کا دودھ پیتے ہیں اور گرمی کے وقت ان کے کلیجہ کو سرد کرتا ہے۔ بعض دیگر امراض کے لئے یہ دودھ استعمال ہوتا ہے۔ خُدا کی رحمت کا نشان ہے۔ کہ ہر ملک اور ہر زمانہ میں اُس نے وہاں کے لوگوں کی آسائش اور ضروریات کے لئے حسب حالت سامان بہم پہنچادیا۔ پھر انسان کیوں شکر گزار نہ ہوں۔

یہ شہر دریائے کشنا پر واقع ہے اور یہاں سے مچھلی پٹم تک اس دریائے سے نہر نکال کر لے گئے ہیں۔ اور کشتیاں انگریزی اور دیسی نمونہ کی یہاں ہیں۔ دخانی کشتیاں اکثر ہیں۔ اور بعضوں کو ملاح کھینچ کر لے جاتے ہیں۔ مختلف درجے ان کشتیوں میں ہوتے ہیں۔ اور خاص کوٹھریاں بھی ہوتی ہیں۔ گاڑی کا راستہ بھی مچھلی پٹم تک بنا ہوا ہے۔ لیکن میں کشتی کے سفر کو زیادہ پسند کرتا تھا۔ چنانچہ ٹھیکدار کے پاس گیا اُس نے دُگنا تگنا کرایہ بتایا۔ اُن کو ذرا آنکھیں دکھائیں اور شرمندہ کیا کہ دیسیوں کی تجارت کے زوال کا ایک بڑا سبب یہ بددیانتی اور دروغ گوئی اور مسافروں کو تکلیف ہی ہے۔ کچھ شرمندہ ہو کر ٹھیکدار نے مناسب کرایہ بتادیا۔ اور میں کشتی میں سوار ہو دوسرے روز علے الصباح مچھلی پٹم پہنچ گیا۔ وہاں پادری کلارک صاحب کے مکان پر حاضر ہوا۔ وہ بڑی مہربانی سے پیش آئے۔ کمرہ کا انتظام اُنہوں نے کر دیا۔ ہاتھ منہ دھو کچھ تناول کر کے وہاں کے مشن کالج، ٹریننگ کالج اور لڑکیوں کے سکول کا ملاحظہ کیا۔ لڑکیوں کی ڈرل اور کھیلیں دیکھ بڑی خوشی ہوئی لڑکیاں خوب مضبوط اور خوش نظر آتی تھیں۔ جس سے پتہ لگتا ہے کہ کھانے پینے کا انتظام اچھا ہے۔ یہاں لاہور کی مس بوس صاحبہ کی بہن بھی رہتی تھیں۔ اُنہوں نے ڈاکٹر منز صاحب سے شادی کی ہوئی ہے۔ ان کی ملاقات کا شوق دل میں گدا گدایا ان کے دردِ دولت پر حاضر ہوا دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔

یہاں محمدیوں کی حالت پستی کی طرف راجع ہے۔ شاید یہ وجہ ہو کہ یہاں چھینٹ کی تجارت بہت ہوتی تھی اور وہ تجارت عموماً ان کے ہاتھ میں تھی۔ ولایت کی چھینٹ نے اس چھینٹ کو ماند کر دیا۔ اسکی بکری گھٹ گئی۔ تجارت برباد ہو گئی۔ تاجروں کی حالت زوال پکڑ گئی۔ تعلیم میں بھی یہاں کے محمدی پیچھے رہ گئے ہیں ان کے لئے مشن کی طرف سے بھی چند سکول کھولے گئے ہیں جہاں ان کو بلا فیس تعلیم ملتی ہے ایک اسکول میں لڑکوں کے سامنے کچھ بیان کرنے کا موقعہ ملا۔ بعد بیان نے بچوں میں مٹھائی تقسیم ہوئی محمدن لڑکے اردو بخوبی سمجھتے ہیں۔ میں نے اپنے بیان کے متعلق چند باتیں اُن سے دریافت کیں۔ تو پتا لگا۔ کہ اُنہوں نے میرا مطلب بخوبی سمجھ لیا تھا۔

پھر دوسرے روز ایک لکچر دیا جس میں چند محمدی تعلیم یافتہ حاضر تھے۔ حاضرین کی تعداد پچاس سے زیادہ نہ تھی۔ اس روز زین العابدین کا مولود تھا۔ اور یہاں کے ایک مشہور مولوی صاحب رہتے تھے۔ ان کا نام عبدالکریم تھا۔ اور یہاں کے نواب کے ہاں قیام رکھتے تھے۔ اُن کو پیغام بھیجا تھا۔ کہ اگر ممکن ہو تو لکچر میں تشریف لائیں۔ لیکن وہ نہ آسکے۔ لکچر کے بعد میں نے سوال وجواب کا موقعہ دیا۔ لیکن کسی نے کچھ نہ پوچھا۔ صرف یہ درخواست کی۔ کہ میں ان کے مولوی صاحب کے پاس جاؤں اور ان سے ملاقات کروں۔ میں خوشی سے چلنے پر راضی ہو گیا۔ میرے ساتھ دو تین مسیحی

شخص تھے مولوی صاحب کے مکان پر محمدیوں کا ایک جمگھٹا لگا ہوا تھا مجھے کرسی دی اور میں بیٹھ گیا۔ مولوی صاحب تشریف لائے ان کے ہمراہ چند شاگرد تھے نواب صاحب بھی تشریف لائے۔

مولوی صاحب نے بیٹھتے ہی یہ سوال کیا کہ آپ کیا پوچھتے ہیں۔ میں نے جواب دیا۔ کہ میں کچھ پوچھنے نہیں آیا۔ میں تو صرف آپ کی ملاقات کے لئے آیا ہوں۔ اور یہ مناسب بھی نہیں۔ کہ میں آپ کے گھر پر آکر آپ پر حملہ کروں۔ یہ اخلاق کے خلاف ہوگا۔ البتہ میں نے لکچر دیا تھا۔ اس وقت میں نے چند باتوں کو پیش کیا تھا اور بعد لکچر حاضرین سے درخواست کی تھی کہ اگر کچھ پوچھنا چاہیں۔ تو پوچھ سکتے ہیں۔ لیکن اُنہوں نے کچھ نہیں پوچھا۔ شائد آپ سے بھی کسی نے مضمون لکچر کا ذکر کیا ہو۔ اگر آپ نے کچھ اُس کے متعلق پوچھنا ہے تو فرمائیے بندہ حاضر ہے۔ ان کے کہنے پر میں نے کچھ بیان کیا کہ قرآن میں جو درجہ مسیح کو دیا گیا وہ اور کسی نبی کو قرآن میں نہیں دیا گیا۔ چنانچہ اس کی اعجازی پیدائش، اُس کا بچپن ہی سے معجزے کرنا۔ بیماروں کو شفا دینا کوڑھیوں کو پاک صاف کرنا مردوں کو جلانا۔ آسمان پر زندہ چلا جانا۔ اُس کا دوبارہ آنا۔ اُس کا کلمۃ اللہ اور روح اللہ کہلانا۔ یہ ساری باتیں مسیح کے سوا اور کسی ایک نبی میں جمع نہیں ہوئیں اور بجز مسیح کے اور کوئی دوسرا شخص کلمۃ اللہ نہیں کہلایا۔ یہ سن کر مولوی صاحب نے کہا کہ کلمۃ اللہ میں مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں دوسرے پیغمبروں کو بھی یہ لقب ملا ہے۔ مجھے اچھا موقعہ ہاتھ لگ گیا اور میں نے تاکید سے کہا کہ ہرگز نہیں اگر قرآن میں یہ لقب کسی دوسرے نبی یا پیغمبر کے بارہ میں آیا ہو تو قرآن سے مجھے دکھاؤ۔ میرے پاس قرآن تھا۔ میں نے پیش کیا۔ کہ نکال کر دکھاؤ۔ اُنہوں نے میرا قرآن تو نہ لیا۔ اپنے قرآن منگوائے اور تلاش شروع کی۔ میں نے پھر کہہ دیا کہ ہرگز ہرگز قرآن میں نہ پاؤ گے۔ عجب نظارہ تھا۔ سینکڑوں محمدی چاروں طرف موجود تھے۔ مولوی صاحب اور اُن کے شاگرد اپنے اپنے قرآنوں کو الٹ پلٹ کر رہے تھے۔ میں بالکل اطمینان سے خاموش بیٹھا اُن کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ پورا آدھا گھنٹہ اُن کو لگ گیا۔ لیکن کچھ ہاتھ نہ آیا۔ آخر مایوس ہو کے مولوی صاحب نے مان لیا۔ اور بات بھی مان لینے والی تھی۔ البتہ مولوی صاحب کی یہ خوبی تھی کہ اُنہوں نے اقرار کیا ورنہ اکثر لوگ کج بحثی کرتے اور اپنے قصور کو ماننا نہیں چاہتے۔ اس انصاف پسندی کے لئے میں مولوی صاحب کی داد دیتا ہوں پھر اور گفتگو دین کے متعلق ہوتی رہی۔ لیکن وہ زور شور نہ رہا۔ تقریباً ایک گھنٹہ بیٹھ کر وہاں سے رخصت ہوا۔ مولوی صاحب نے بھی فرمایا کہ پھر کب آؤ گے۔ کبھی خط لکھا کرو۔ میں نے بھی ادب سے جواب دیا اور دل میں خُدا کی تعریف کرتا ہوا اپنے مکان پر پہنچا۔ وہاں سے دوسرے روز رخصت ہو کر کشتی کی راہ بجواڑہ پہنچا۔ وہاں سے ریل پر سوار ہو کر حیدر آباد کو واپس آیا۔

سولھواں باب

بنگلور

ایک روز حیدر آباد میں آرام کر کے پادری گولڈ اسمتھ صاحب کے ہمراہ بنگلور کو روانہ ہوا۔ دور ہی سے بنگلور کی سر سبزی اور ہریاول اور پھولوں پھلوں نے دل کو فرحت بخشی۔ یہاں زنانہ مشن کا کام ہوتا ہے۔ ینگ مین کرسچین ایسوسی ایشن بھی تھوڑے عرصہ سے کھلی ہے۔ مرے صاحب دل وجان سے اس کام میں مشغول ہیں۔ ایک شاخ اس ایسوسی ایشن کی ہندوستانی بولنے والے کے واسطے بھی کھلی ہے۔ یہاں محمدی صاحبان کی آمد ورفت اکثر رہتی ہے۔ ایک دیسی مسیحی کے سپرد یہ کام ہے۔ اُن کا نام حکیم ناصر الدین ہے۔ بڑے جہاندیدہ شخص ہیں۔ عدن میں مدت تک رہ چکے ہیں۔ دیگر ممالک کی سیر سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ ہر دلعزیز ہیں۔ اکثر مسلمان ان سے بات چیت کرنے آتے ہیں۔ مرے صاحب کی مہربانی سے میری رہائش کا انتظام بھی اُن کے ساتھ ہوا۔ مہمان نوازی میں بھی یہ بھائی قابل تعریف ہیں۔ یہاں نوٹس چھپوا کر تقسیم کئے گئے تھے۔ کہ پادری جے علی بخش پنجابی تین وعظ مسلمانوں کیلئے کرینگے۔ اور بعد لکچر سوال وجواب کا موقعہ دیا جائیگا۔ چنانچہ میونسپل کمیٹی سے میوہال میں وعظ کرنے کی اجازت مل گئی۔ پہلا لکچر جو اس ہال میں دیا گیا یہ تھا کہ "میں کیوں مسیحی ہوں" مسلمانوں نے میری آمد کی خبر سن کر ایک محمدی مشنری صاحب کو دوسری جگہ سے بلایا تھا اُن کا نام مرزا عباس بیگ تھا۔ اُنہوں نے کئی رسالے مسیحی دین کے خلاف لکھے ہیں۔ ہر جگہ جنوبی ہند میں جاتے اور مسیحی دین کی مخالفت کرتے ہیں۔ بنگلور میں بھی تشریف لائے۔ کہتے ہیں کہ چند صندوق کتابوں کے ہمراہ تھے۔ بیس سے زیادہ مختلف ترجمے بائبل کے جمع کر رکھے ہیں۔ تاکہ لوگوں پر ظاہر کریں کہ مسیحی لوگ اپنی کتابوں کو ہر سال بگاڑتے اور اپنے مطلب کے مطابق بناتے رہتے ہیں۔ میں نے بھی خُدا سے دعا مانگی۔ اور یہ دعا اس کے حضور تک جا پہنچی اس لکچر کے وقت تین سو کے قریب محمدی کمرہ میں حاضر تھے۔ اُنہوں نے اچھی طرح سے سنا۔ جب لکچر ختم ہوا میں بیٹھ گیا۔ اس جلسہ میں ہم نے ایک مسلمان صاحب کو میر مجلس مقرر کیا تھا۔ اُنہوں نے اجازت دی کہ حاضرین میں سے اگر کوئی سوال پوچھنا چاہے تو پوچھ سکتا ہے۔ اس پر مرزا عباس بیگ صاحب کھڑے ہوئے بڑے کروفر سے بائبل پر حملہ شروع کیا۔ چند مقامات کے حوالے پیش کئے۔ جب وہ اعتراض کر چکے تو میں نے اٹھ کر بائبل کھول کر میر مجلس کے سامنے دھر دی اور ان میں سے پہلا مقام نکالا اور پڑھ کر سنایا تو مرزا صاحب کا حوالہ بالکل غلط نکلا میں نے میر مجلس اور حاضرین کو توجہ دلا کر کہا مسیحی دین کے مخالفوں کا یہ شیوہ ہے کہ عبارت کو الٹ پلٹ اور قرینہ سے علیٰحدہ کر کے یا آیتوں کو غلط ملط کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کی ایک نظیر اس جلسہ میں حاضرین کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ مرزا صاحب تو برانگیختہ ہو کر آگ بگولا ہو گئے۔ اور جواب کے لئے کھڑے ہوئے اور تھر تھرانے لگے زبان بند تھی۔ بدن پر لرزہ تھا۔ ایک عجیب نظارہ دیکھنے میں آیا سب کی آنکھیں اُن کی طرف لگی تھیں۔ لیکن مرزا صاحب کی زبان گویا نہ ہوئی چند منٹوں تک یہی حال رہا تو چند مسلمانوں نے بمشکل تمام اُن کو بٹھا دیا اور ایسا بٹھایا کہ نہ صرف اس جلسہ میں بلکہ مابعد دو جلسوں میں بھی لکچروں کے وقت وہ نہ اٹھے۔ خُدا کی شان ہے جو ایسی صریح فتح بخشتا ہے نہ انسانی دلیلوں اور فصاحت سے بلکہ اپنی قدرت سے۔ ایک دو شخصوں نے دو چار معمولی سوال کئے اور میں نے مختصر جواب دئے۔ اور جلسہ برخاست ہوا۔ اس کے لئے خُدا کا شکر ہے۔

دوسرے روز بھی اُسی جگہ میں نے اپنا دوسرا لکچر دیا۔ مضمون یہ تھا کہ خُدا جسم میں ظاہر ہوا۔ آج مسلمانوں کا بڑا ہجوم تھا۔ کئی محمدی حاضر تھے۔ بعد لکچر چند سوالات محمدی صاحبان نے پوچھے مثلاً۔

۱۔عیسیٰ کی آمد کی خبر پہلی کتابوں میں نہیں۔

۲۔وہ کیوں اپنے دشمنوں کے سامنے بھاگتا پھرتا ہے۔

۳۔اُس نے اپنے شاگردوں کو کہا شمشیر پکڑو۔

۴۔ مسیح نے کہا کہ غریب ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں پر میں ہمیشہ تمہارے ساتھ نہیں۔

۵۔ مسیح نفسی نفسی پکارتا ہے۔(اس سے اُن کا اشارہ تھی ایلی ایلی لما شبقتنی)۔

ان کے جواب مختصر طور پر دئے گئے اور جلسہ برخاست ہوا۔

جواب مختصر یہ ہیں:

۱۔یسعیاہ نبی نے مسیح کی پیدائش کے بارہ میں یہ فرمایا"دیکھو ایک کنواری حاملہ ہو گی اور بیٹا جنیگی اور اُس کا نام عمانوایل رکھیگی"۔ہمارے لئے ایک لڑکا تولد ہوا اور ہم کو ایک بیٹا بخشا گیا اور سلطنت اُس کے کندھے پر ہو گی اور وہ اُس نام سے کہلاتا ہے۔ عجیب، مشیر خُدائے قادر ابدیت کا باپ سلامتی کا شہزادہ"میکاہ نبی نے یہ خبر دی کہ وہ کس شہر میں پیدا ہو گا۔"اے بیت لحم افراتاہ ہر چند کہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کیلئے چھوٹا ہے تو بھی تجھ میں سے وہ شخص نکل کر میرے پاس آئیگا جو اسرائیل میں حاکم ہو گا۔اور اُس کا نکلنا قدیم سے ایام الازل سے ہے"۔زکریاہ نبی نے یہ ذکر کیا کہ وہ کس جانور پر سوار ہو گا"صیحون کی بیٹی سے کہو دیکھ تیرا بادشاہ فروتنی سے گدھی پر بلکہ گدھی کہ بچہ پر سوار ہو کے تجھ پاس آتا ہے"پھر یسعیاہ نبی نے اُس کی موت اور دکھوں کے بارہ میں مفصل بیان کیا"یقیناً اُس نے ہماری مشقتیں اٹھالیں اور ہمارے غموں کا بوجھ اپنے اوپر چڑھایا۔پر ہم نے اُس کا یہ حال سمجھا کہ وہ خُدا کا مارا کوٹا اور ستایا ہوا ہے۔پر وہ ہمارے گناہوں کے سبب گھائل کیا گیا اور ہماری بدکاریوں کے باعث کچلا گیا۔ہماری ہی سلامتی کے لئے اُس پر سیاست ہوئی تاکہ اُس کے مار کھانے سے ہم شفا پائیں۔ ہم سب بھیڑوں کی مانند بھٹک گئے۔ہم میں سے ہر ایک اپنی راہ کو پھرا۔پر خُداوند نے ہم سبھوں کی بدکاری اُس پر لادی۔ وہ تو نہایت ستایا گیا اور غمزدہ ہوا تو بھی اُس نے اپنا منہ نہ کھولا۔وہ جیسے برہ ذبح کرنے لے جاتے اور جیسے بھیڑ اپنے بال کترنے والے کے آگے بے زباں ہے۔اُسی طرح اُس نے اپنا منہ کھولا۔ایذا دیکے اور اُس پر حکم کر کے وہ اسے لے گئے پر کون اُس کے زمانہ کا بیان کریگا کہ وہ زندوں کی زمین سے کاٹ ڈالا گیا۔ میری گروہ کے گناہوں کے سبب اُس پر مار پڑی۔اُس کی قبر بھی شریروں کے درمیان ٹھہرائی گئی تھی پر وہ اپنے مرنے کے بعد دولتمندوں کے ساتھ ہوا۔کیونکہ اُس نے کسی طرح کا ظلم نہ کیا اور اُس کے منہ میں ہرگز چھل نہ تھا"۔(یسعیاہ ۵۳ باب ۴ سے ۹ آیت تک)۔

الغرض بہت نبیوں نے اُس کی خبر دی ہے۔مشتے نمونہ از خروارے یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

۲۔اُس کو اپنے کام کا وقت اور لحظہ معلوم تھا۔اور وہ کوئی کام بے وقت نہیں کرتا بلکہ عین وقت پر جو اس کیلئے خُدا نے مقرر کیا۔چنانچہ ایک دفعہ اُس کے بھائیوں نے عید خیام کے وقت اُسے کہا کہ تو یہاں سے روانہ ہو اور یہودیہ میں جاتا کہ ان کاموں کا جو تو کرتا ہے تیرے شاگرد بھی دیکھیں۔۔۔۔۔تب یسوع نے اُنہیں فرمایا کہ میرا وقت ہنوز نہیں آیا۔پر تمہارا وقت ہر وقت بنا ہے۔۔۔۔۔تم عید میں جاؤ میں ابھی عید میں نہیں جاتا کہ میرا وقت ہنوز پورا نہیں ہوا لیکن جب اُس کے بھائی روانہ ہوئے تھے وہ بھی عید میں گیا ظاہرا نہیں بلکہ چھپکے اور جا کر ہیکل میں تعلیم دینے لگا۔تب یہودی تعجب سے بولے کہ اس مرد کو بغیر پڑھے کیوں کر کتابوں کا علم ہے۔یسوع نے اُنہیں جواب دیا کہ میری تعلیم میری نہیں بلکہ اُس کی ہے جس نے مجھے بھیجا وہ شخص جو اُس کی مرضی پر چلا چاہے جائیگا کہ یہ تعلیم خُدا کی ہے یا کہ میں آپ سے دیتا ہوں(یوحنا ۷ باب)۔

اس سے ظاہر ہے کہ اُس کے جانے کا وقت اور طریقہ اُسے خوب معلوم تھا۔ لیکن وہ بزدل نہیں بلکہ سرعام تعلیم دیتا ہے جس سے اُس کی دلیری ظاہر ہوتی ہے۔ جب مسیح پکڑوایا تھا اُس وقت کی نسبت یوں لکھا ہے "پس یہوداہ سپاہیوں کی پلٹن اور امام اعظم اور دینی علماؤں سے پیادے لے کر مشعلوں اور چراغوں اور ہتھیاروں کے ساتھ وہاں آیا۔ سیدنا عیسیٰ نے ان سب باتوں کو جو آپ کے ساتھ ہونے والی تھیں جان کر باہر نکلے اور ان سے فرمایا کہ کسے ڈھونڈتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا عیسیٰ ناصری کو۔ آپ نے ان سے فرمایا میں ہی ہوں اور آپ کا پکڑوانے والا یہوداہ ان کے ساتھ کھڑا تھا۔ آپ کے یہ فرماتے ہی کہ میں ہی ہوں وہ پیچھے ہٹ کر زمین پر گرے پڑے۔ پس آپ نے ان سے فرمایا تم کسے ڈھونڈتے ہو؟ انہوں نے کہا عیسیٰ ناصری کو۔ سیدنا عیسیٰ نے ان سے فرمایا کہ میں تم سے کہہ چکا ہوں میں ہی ہوں۔ پس اگر مجھے ڈھونڈتے ہو تو انہیں جانے دو۔ (یوحنا ۱۸: ۱تا۸)۔

کیا اب بھی اُس کی دلیری میں شک ہے۔ اور سنئے اس وقت سیدنا عیسیٰ کے ساتھیوں میں سے ایک نے ہاتھ بڑھا کر اپنی تلوار کھینچی اور امامِ اعظم کے نوکر پر چلا کر اس کا کان اڑا دیا۔ سیدنا عیسیٰ المسیح نے اس سے فرمایا اپنی تلوار کو میان میں کر لو کیونکہ جو تلوار کھینچتے ہیں وہ سب تلوار سے ہلاک کئے جائیں گے۔ کیا تم نہیں سمجھتے کہ میں اپنے پروردگار سے منت کر سکتا ہوں اور وہ فرشتوں کے بارہ تمن سے زیادہ میرے پاس ابھی موجود کر دیں گے؟ مگر وہ نوشتے کہ یونہی ہونا ضرور ہے کیونکر پورے ہوں گے۔ (متی ۲۶: ۵۱تا۵۴)۔

البتہ اس قسم کا بھاگنا محمد صاحب کے بھاگنے سے متفرق ہے کیونکہ وہ علی کو اپنے بستر پر سلا کے خود روپوش ہوئے۔ غار میں چھپے رہے اور اکادرہ کر مدینہ کی راہ لی اور ہجرت کی۔ اہل انصاف خود فیصلہ کر لیں۔

ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجا

۳۔) اس اعتراض کا گونہ جواب دوسرے سوال کے جواب میں آچکا ہے۔ کہ مسیح نے اپنے شاگرد کو کہا "اپنی تلوار میان میں کر کیونکہ جو تلوار کھینچتے ہیں وہ تلوار ہی سے مارے جائینگے"۔ اس سے ظاہر ہے کہ رسائل انجیل کے مدُعا اور مطلب سے واقف نہیں۔

۴۔ مسائل نے جس مقام پر اعتراض کیا ہے وہ میں پڑھ کر آپ کے سامنے سنائے دیتا ہوں۔ آپ خود جانچ لینگے کہ آنجناب کے اعتراض میں کیا زور ہے "یہوداہ اسکریوتی جو آپ کو پکڑوانے کو تھا کہنے لگا۔ یہ عطر تین سو دینار میں بیچ کر غریبوں کو کیوں نہ دیا گیا؟ اس نے یہ اس لئے نہیں کہا کہ اس کو غریبوں کی فکر تھی بلکہ اس لئے کہ چور تھا اور چونکہ اس کے پاس ان کی تھیلی رہتی تھی اس میں جو کچھ پڑتا وہ نکال لیتا تھا۔ پس سیدنا عیسیٰ نے فرمایا اسے یہ عطر میرے دفن کے دن کے لئے رکھنے دو۔ کیونکہ غریب غربا تو ہمیشہ تمہارے پاس ہیں لیکن میں ہمیشہ تمہارے پاس نہ رہوں گا۔ (یوحنا ۱۲: ۴تا۸)۔

اے حاضرین ذرا سوچئے آپ کس کے ساتھ ہمدرد ہیں یہوداہ کے ساتھ یا مسیح کے ساتھ۔

۵۔ مسیح نفسی نفسی نہیں پکارتا۔ بلکہ صلیب پر جو پہلا کلمہ بولا گیا جو اُن کے منہ مبارک سے نکلتا ہے وہ یہی ہے "اے باپ اُن کو معاف کر کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ کیا کرتے ہیں۔ (لوقا ۲۳: ۳۴)۔

بنگلور میں میرا تیسرا لکچر ہونے والا تھا۔ کہ اتنے میں خبر آئی کہ میونسپلٹی کی جگہ آج نہیں سکتی۔ گذشتہ دن محمدیوں کا شور تھا میونسپلٹی کو فساد کا اندیشہ پیدا ہوا۔ اس لئے اجازت نہیں دی۔ مسلمان اس ممانعت سے سخت ناراض تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم ہر طرح کا نقصان بھر دینے کو تیار ہیں ہم ضمانت دیتے ہیں کہ کسی طرح کا فساد نہ ہوگا۔ لیکن میونسپلٹی نے اجازت نہ دی۔ ہم سبھوں کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اس پر لنڈن مشن کا ہال جو پہلے ہال سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر تھا لکچر کے لئے مقرر ہوا۔ چنانچہ میونسپلٹی ہال کے دروازہ پر اشتہار چسپاں کیا گیا اور چند اشخاص مقرر کر دئے کہ جو لوگ وہاں آئیں اُن کو خبر دیویں کہ لکچر فلاں وقت فلاں روز لنڈن مشن ہال میں ہوگا۔ دوسرے روز بارش ہو رہی تھی۔ لکچر کا وقت بھی آپہنچا۔ ہم سب لنڈن مشن

ہال میں حاضر ہوئے۔ بارش برستے میں کئی سو محمدی جمع ہو گئے۔ محمدیوں نے اپنی طرف سے ایک شخص کو میر مجلس ہونے کیلئے پیش کیا۔ یہ صاحب ایک آنکھ سے کچھ عاری معلوم ہوتے تھے۔ ہم نے کچھ اعتراض کیا۔ لیکن نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ دھینگا دھینگی اُس کو کرسی دی گئی۔ میں نے کفارہ کے بارہ میں بیان کیا۔ بعد لکچر دو چار متفرق اشخاص نے مختلف اعتراض کئے ان میں سے بعض تو وہی تھے جن کے جواب مختلف موقعوں پر دے چکا تھا۔ ایک محمدی نے آخر کار یہ سوال کیا۔ کہ مسیحی لوگ محمد صاحب کو نبی کیوں نہیں مانتے جبکہ وہ نبی آخر الزمان ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ مسیح کا شرع واخلاق کامل طور سے منکشف ہو گیا۔ اس لئے اُن کا کام پورا ہوا تو ان مقاصد کیلئے ہم کو کسی دوسرے کی ضرورت نہ تھی۔ گو مسیح کے بعد کئی ایک نبی تو گزرے ہیں۔ جیسا کہ رسولوں کے اعمال کی کتاب سے ظاہر ہے۔ اور ان نبیوں نے کئی پیشینگوئیاں کیں اور وہ پوری بھی ہو گئیں لیکن نجات کے لئے ہم اُن سے اُمیدوار نہیں۔ کیونکہ ہم کو صاف بتادیا کہ آسمان کے تلے زمین پر کوئی اور نام نہیں جس سے نجات مل سکے۔

دوم۔ کفارہ کی اصل یہ بیان ہوئی ہے کہ بلاخون بہائے معافی نہیں۔ توریت میں یہی منکشف ہوا۔ انجیل میں یہی بیان ہے۔ مسیح کی زندگی اس کی شاہد ہے۔ لیکن قرآن نے کفارہ کو بدلے کے معنی میں تو لیا۔ لیکن خون بہائے کو ضروری نہیں ٹھہرایا۔ اور مسیح کے کفارہ کو صاف طور پر نہیں بتایا اسلئے قرآن کے ماننے میں ہم تامل کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں جب ہم محمد صاحب اور حضرت مسیح کی سیرتوں کا مقابلہ کرتے ہیں تو مسیح کی سیرت کہیں اعلیٰ اور افضل معلوم ہوتی ہے۔ بلکہ جتنی صفات خود قرآن میں حضرت مسیح سے منسوب ہیں کسی اور نبی سے بلکہ محمد صاحب سے بھی منسوب نہیں۔ مثلاً اس کی اعجازی پیدائش اُس کے معجزوں کا بیان کہ وہ بیماروں کا شفا دیتے کوڑھیوں کو پاک صاف کرتے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ اُن کا کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہونا۔ ان کا ہر گناہ سے مبرا ہونا اور سراسر پاک ہونا۔ اُن کا زندہ آسمان پر اس وقت موجود ہونا روز قیامت سے پیشتر ان کا دوبارہ آنا۔ اب یہ ساری صفات سوائے مسیح کے کسی دوسرے نبی میں یا محمد صاحب میں بحیثیت مجموعی پائی نہیں جاتی۔ ان میں سے فرداً کئی ایک افراد میں پائی جائیں تو پائی جائیں لیکن کلی طور پر وہ کسی دوسرے پر صادق نہیں آتیں۔ مثلاً آدم و حوا کی پیدائش مسیح کی اعجازی پیدائش کے مشابہ ہو سکتی ہے۔ ایلیاہ اور الیشع نبی کے معجزے مسیح کے معجزوں سے ایک درجہ تک مشابہ ٹھیر سکتے ہیں۔ حنوق اور ایلیاہ مسیح کے زندہ آسمان پر موجود ہونے کی مثال ہو سکتے ہیں۔ ایلیاہ نبی مسیح کی دوسری آدم کا نمونہ ہو سکتا ہے۔ لیکن کیا کسی نبی اور پیغمبر کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ کہہ سکتے ہیں؟ انسانوں میں مسیح کے سوا کون گناہ سے سراسر پاک رہا؟ پھر ان ساری صفات کا جامع مسیح کے سوا اور کون نظر آتا ہے؟ اس لئے اے محمدی صاحبان ہم مسیح کو مانتے اُسی کو اپنا نجات دہندہ قبول کرتے اور اُسی کا نام آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ آپ بھی اُسی کے وسیلے نجات حاصل کر کے ابدی زندگی کے وارث ہو جائیں۔

جب میں جواب دے چکا۔ تو میر مجلس صاحب اٹھے۔ اور اُنہوں نے مسیحیوں کے خلاف لکچر دیا۔ جو ثالث تھے وہ متعصب طرف دار بن گئے۔ ہر چند میں نے اور دوسرے اصحاب نے اُن کو کہا کہ آپ کے عہدہ میر مجلس کے بر خلاف ہے۔ لیکن کون سنتا تھا۔ آدھ گھنٹے تک وہ شخص بولتا رہا اس کے بعد کئی اور محمدیوں نے شور مچایا۔ ہم کو جو پہلے دنوں میں اُن کے اخلاق کا کچھ خیال پیدا ہو گیا تھا۔ اب ہمارے دل سے دور ہو گیا۔ خیر شکر ہے اُس کو بھولا نہ جانئے جو شام کو گھر لوٹ آئے۔ دلوں میں خُدا سے دعا مانگتے اپنے مکان پر آئے۔

حکیم ناصر الدین کے مکان پر ایک اور مباحث پادری گولڈ سمتھ صاحب اور وہاں کے ایک مولوی صاحب کے درمیان ہوا۔ یہ مولوی صاحب بھی بڑے زبان آور اور طرار تھے۔ دو گھنٹے کے مباحثہ کے بعد طول طویل بیان کر کے اور اعتراض کو جواب دینے کا موقع نہ دیا۔ میر مجلس بھی محمدی تھے۔ لیکن انصاف پسند تھے۔ انہوں نے بھی مولوی کو کہا۔ کہ ابھی پانچ منٹ سے زیادہ باقی ہیں۔ لیکن مولوی صاحب کی بلا جانے۔

الغرض ہم نے میر مجلس صاحب سے لکھوالیا کہ مولوی صاحب قبل اوز وقت چلے گئے اور جواب کا موقع پادری صاحب کو نہ دیا۔

یہاں ایک پادری دھیان سنگھ صاحب بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ان کی میم صاحبہ وہاں کے ایک ہسپتال میں کام کرتی ہیں اپنا مکان بنگلور میں بنایا ہے۔ان کے سلوک اور اخلاق کے لئے ان کا شُکر گذار ہوں۔خُدا اُن کے کام پر برکت دے۔

الغرض ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۴ کو بنگلور سے پادری گولڈ سمجھ صاحب کے ہمراہ وادی کو روانہ ہوئے۔وہاں پادری صاحب کو الوادع کیا اور خود گھر کی راہ لی۔اور ۲۲ اکتوبر کو لاہور پہنچ گیا اور خُدا کا شُکر ادا کیا۔

نورالہدیٰ